بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

Islamic & Intellectual Studies Magazine

(IISM)

اسلامک اور علم و دانش ریسرچ میگزین

وَمَنۡ لَّمۡ يَجۡعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوۡرًا فَمَا لَهٗ مِنۡ نُّوۡرٍ

شمارہ: ستمبر 2024، صفر/ربیع الاول 1446

وَمَنۡ أَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوۡ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمۡ يُوحَ إِلَيۡهِ شَيۡءٌ وَمَنۡ قَالَ سَأُنۡزِلُ مِثۡلَ مَا أَنۡزَلَ اللَّهُ [الأنعام: ۹۳]

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹی تہمت باندھے یا کہے کہ مجھ پر وحی آئی ہے، حالانکہ اس پر کوئی وحی نازل نہ کی گئی ہو۔ اور کہے کہ جیسا کلام اللہ نے اتارا ہے، میں بھی اتاروں گا۔

www.mubashirnazir.org

Islamic & Intellectual Studies Magazine

(IISM)

اسلامک اور علم و دانش ریسرچ میگزین

آج جدید دور نے دین و دنیا سے متعلق مختلف سوالات پیدا کر دیے ہیں۔ کہیں الحاد کا دور دورہ ہے تو کہیں خود ساختہ ادیان رائج ہیں۔ اِن حالات میں دین کی بلا تعصب، غیر جانبدارانہ اور قران و سنت کی روشنی میں درست ترجمانی ناگزیر ہے۔ اسی مقصد کے لیے اسلامک اور علم و دانش ریسرچ میگزین (Islamic and Intellectual studies Magazine) کا اجراء کیا گیا ہے، تاکہ دورِ جدید میں مختلف موضوعات سے متعلق دین کا صحیح نقطۂ نظر بلا کم و کاست قارئین تک پہنچایا جاسکے۔ اِس میگزین میں ایمان و اخلاق کی دعوت، تعمیر سیرت، اللہ اور آخرت کی معرفت، تاریخ، سوشل سائنسز اور دورِ حاضر کے تمام گمراہ کن نظریات کو پہچان کر ان سے بچنے کے حوالے سے موضوعات زیرِ بحث آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس سارے معاملے میں ہمارا حامی و ناصر ہو۔ آمین

مجلس تحریر

محمد مبشر نذیر، رفعت نواب مصعب، محمد ثوبان

ڈاکٹر محمد عقیل، ڈاکٹر شکیل عاصم، حافظ محمد شارق

ڈاکٹر ظہور احمد دانش، جاوید رشید، محمد رضوان

عمر خطاب، محمد رضوان، شاہ فیصل ناصر، عبد الباسط

سلمان رضوان، طلحہ خضر، ڈاکٹر سید بلال ارمان

سر پرستِ اعلیٰ: محمد مبشر نذیر

مدیر: رفعت نواب مصعب

نائب مدیر: محمد ثوبان

نوٹ: مدیر کا مراسلہ نگار سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

آفیشل ویب سائٹ: www.mubashirnazir.org

رابطہ کرنے، تحریریں، آراء اور سوالات بھیجنے کے لئے

Mubashirnazir100@gmail.com , refatnawab@gmail.com

فہرست مضامین

اسلامک اور علم و دانش ریسرچ میگزین

1	تکفیر مسلم اور قادیانیوں کا مسئلہ	رفعت نواب مصعب	3
2	اپنی شخصیت اور کردار کی تعمیر کیسے کی جائے؟ پارٹ 4	محمد مبشر نذیر	18
3	مومنوں کا اخلاق	مسعود الدین مصعب	25
4	نفل نمازوں کے متعلق عمومی احکامات	مفتی محمد شکیل عاصم	29
5	سورہ کوثر کی آسان تفسیر	عبد المتین	39
6	حافظ نور رضا کے گردے کی کہانی	ڈاکٹر ظہور احمد دانش	45
7	بت پرستی	محمد رضوان	47
8	بچوں کو سیرت رسول سمجھانے کے طریقے	ڈاکٹر ظہور احمد دانش	49
9	**سلسلہ سوال و جواب**	محمد مبشر نذیر	52
	1. مجبوری میں کی گئی چوری کی سزا		52
	2. ہمیں کس طرح پتا لگے گا کہ ہم پر حج فرض ہے یا نہیں؟		52
	3. سٹاک مارکیٹ اور سود کے متعلق سوالات		54
	4. علوم القرآن کے متعلق سوالات		54
	5. اسلام کا پیغام پہنچانے کیلئے کونسا طریقہ اچھا ہے؟		55
	6. تصوف اور نفسیاتی غلامی کے متعلق سوالات		55
10	تعلیمی و تربیتی کورسز کے ویب لنکس		57

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رفعت نواب مصعب

تکفیرِ مسلم اور قادیانیوں کا مسئلہ

جو لوگ مسلمانوں کی تکفیرِ عام کرنے کے قائل ہیں اور اپنے گروہ کے علاوہ کسی بھی دوسرے گروہ کو مسلمان سمجھنے کے قائل نہیں ہیں، ان کا بنیادی استدلال مسئلہ ءِ قادیانیت ہے۔ ان کہنا ہے کہ جس طرح مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے اپنے دعویٰ ءِ نبوت کے لئے ختم نبوت کی آیات اور صحیح احادیث کی تاویل کر کے گویا کفر کیا ہے۔ اسی طرح اسلام کے باقی گروہ بھی کر رہے ہیں چنانچہ یہ باقی گروہ بھی کافر قرار پائے ہیں۔ لہذا یہ لوگ اپنے ماسوا دوسرے گروہوں کو کافر قرار دینے کے لئے سب سے پہلے قادیانیوں کو کافر قرار دیتے ہیں اس کے بعد اسلام کے ماننے والے دیگر گروہوں کو بھی قادیانیوں کے ہم پلہ ٹھیرا کر انہیں بھی قادیانیوں کی مثل کافر قرار دے دیتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے قادیانیوں کی تکفیر کا مسئلہ سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

قادیانی حضرات چونکہ ہمارے معاشرے میں نفرت کا استعارہ بنائے جا چکے ہیں۔ اس لئے سب سے پہلے قارئین کی خدمت میں یہ گذارش ہے کہ جو حضرات یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ جب بھی اپنے مذہبی گروہ اور جماعت کے علاوہ دوسرے گروہ کے افراد کا ذکر کیا جائے تو تہذیب اور شائستگی کو کونے میں رکھ دینا ایک لازمی دینی ذمہ داری ہے۔ ایسے لوگوں سے صرف یہی عرض ہے کہ ہم جس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار ہیں، اس کریم ہستی نے اپنے ماننے والوں کو صرف تہذیب اور شائستگی ہی کا درس دیا ہے۔ مزید یہ کہ ہم ایک داعی کی حیثیت رکھتے ہیں اور باقی لوگ ہمارے مدعو ہیں۔ یعنی بد اخلاقی اور بد تمیزی کا رویہ جس طرح ہماری دینی تعلیمات کے خلاف ہے، اِسی طرح کسی بھی مدعو قوم کو حق کی دعوت پہنچانے کی راہ میں بھی یہ لازماً رکاوٹ بنتا ہے۔ اِس کے نتیجے میں ہم اپنی بات اُن تک پہنچانے کا موقع کھو دیتے ہیں۔ چنانچہ جو لوگ بد تمیزی اور بد اخلاقی کو بھی دین سمجھتے ہیں، ان سے معذرت ہے کہ یہ تحریر اُن کی توقعات پر پورا نہیں اتر سکتی۔

اس تحریر میں اس اصولی سوال کا جواب تلاش کرنے کی بھی کوشش کی جائے گی کہ کیا اسلام مسلمانوں کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ قانون اور ریاست کی سطح پر کسی ایسے شخص کو غیر مسلم قرار دیں جو خود کو مسلمان تو کہتا ہو مگر وہ اسلام کے بنیادی ایمانیات میں اضافہ یا کمی کرنے کا بھی قائل ہو؟ اگر دیکھا جائے تو قرآن مجید کی روشنی میں اِس سوال کا جواب "ہاں" میں ہے۔ اُس نے دنیا و آخرت دونوں کے پہلو سے واضح کیا ہے کہ کون ایک مسلمان ہوتا ہے اور کون نہیں۔ قرآن مجید نے وہ متعین شرائط بیان کی ہیں جن کو پورا کرنے والے کسی شخص ہی کو مسلمان سمجھا جائے گا۔ وہ شرائط اگر پوری نہیں کی جائیں گی تو پھر اسلامی ریاست اور

دیگر مسلمان اصولاً اِس بات کے پابند نہیں ہیں کہ ایسے کسی شخص کے دعویٰ ءِ اسلام کو لازماً قبول کریں۔ بالعموم اِس مسئلے میں بعض حلقوں میں ابہام پایا جاتا ہے کہ آیا کوئی فرد واضح شرک اور مبین کفر کا شعوری طور پر ارتکاب کرنے کے باوجود مومن رہ سکتا ہے؟ یا اسے توبہ کر کے اسلامی تعلیمات کو قبول کرنا ہو گا تب وہ مومن و مسلم کہلا سکنے کا حق حاصل کر سکے گا، اِس لیے ضروری ہے کہ اس پر سب سے پہلے قرآن مجید کا فیصلہ سامنے لایا جائے۔

اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں کہ قانون کی سطح پر ایک فرد کن شرائط کو پورا کرنے کے بعد مسلمان کہلائے جانے کا مستحق ہے، یہ کوئی ایسی بات نہیں جسے قرآن و سنت نے موضوعِ بحث نہ بنایا ہو۔ قرآن مجید نے سورہ توبہ میں اِس حوالے سے اپنا فیصلہ بالکل کھول کر رکھ دیا ہے۔ فرمایا؛

فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخۡوَانُكُمۡ فِى الدِّيۡنِ‌ؕ وَنُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ (التوبة:١١)

پس اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور ہم آیات کی تفصیل بیان کر رہے ہیں ان لوگوں کے لیے جو جاننا چاہیں۔

سورہ توبہ کی یہ آیت مشرکین عرب کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جنہوں نے دینِ شرک کو پورے شعور کے ساتھ قبول کر رکھا تھا اور اس شرک کو وہ اللہ کی منشا سمجھتے تھے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کلمہ توحید کی بجائے کلمہ ءِ شرک [1] پڑھتے تھے۔ لہٰذا محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ان پر اتمام حجت کر دینے کے بعد اس آیت میں یہ واضح طور فرمادیا کہ ان میں سے جب کوئی فرد ایمانیات کے متعلق اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ معیار کی خلاف ورزی سے باز آجائے یعنی جس شرک اور کفر سے آلودہ ایمان کو اس نے دانستہ اور شعوری طور پر اپنا رکھا تھا اس سے توبہ کرلے اور ظاہری اعمال میں نماز اور زکوۃ کے فرائض کو ادا کر دے، تو وہ دینی طور پر باقی مسلمانوں کا بھائی تصور کیا جائے گا اور قانون و ریاست کی سطح پر بھی اُسے وہ سارے حقوق دیے جائیں گے جو باقی مسلمانوں کے ہیں۔ اِس میں ظاہر ہے کہ مسلمان ہونے کی شناخت کا حق بھی اوّلین طور پر شامل ہے۔ یہی بات ایک حدیث میں بھی تفصیل سے بیان کی گئی ہے:

---

1 عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: كَانَ الْمُشْرِكُونَ يَقُولُونَ: لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ، قَالَ: فَيَقُولُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «وَيْلَكُمْ، قَدْ قَدْ» فَيَقُولُونَ: إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ، تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ، يَقُولُونَ هَذَا وَهُمْ يَطُوفُونَ بِالْبَيْتِ (صحیح المسلم، رقم الحدیث 1185)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مشرکین بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے کہتے تھے "ہم حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں" اس وقت رسول اللہ ﷺ انہیں کہتے "تمہاری خرابی ہو بس بس یہیں تک کافی ہے" لیکن پھر بھی وہ کہتے "(تیرا کوئی شریک نہیں) سوائے اس شریک کے، اس کا مالک بھی تو ہی ہے وہ خود کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا"

عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، فَإِذَا فَعَلُوا ذَٰلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ۔

(صحیح البخاري - کتاب الإیمان - باب فإن تابوا وأقاموا الصلاة وآتوا الزکاة فخلوا سبیلهم، رقم الحدیث: 25)

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں جب تک کہ وہ اس بات کی گواہی نہ دینے لگیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور صلوٰۃ قائم کرنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں، پس جب وہ یہ کام کرنے لگیں تو مجھ سے ان کے جان و مال محفوظ ہو جائیں گے، علاوہ اس سزا کے جو اسلام نے کسی جرم میں ان پر مقرر کر دی ہے اور اب ان کا حساب (و کتاب) اللہ کے ذمے ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے مبین طور پر ارشاد فرمادیا ہے کہ ریاست قانونی طور پر کس شخص کو مسلمان سمجھ سکتی ہے اور کس کو نہیں۔

ایمانیات میں کمی بیشی کا جرم

ایمانیات میں کمی یا زیادتی کرنا کفر ہے۔ اب ہم اس کی تھوڑی تفصیل میں جانا چاہیں گے۔ سورۃ توبہ کی درج بالا آیت کفار عرب پر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اتمام حجت کے بعد اُن کو فیصلہ کن سزا سنانے کے ضمن میں نازل ہوئی، جس میں کفار کے لیے موت کا فیصلہ سنا دیا گیا، سوائے اِس کے کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ ایسے میں یہ ضروری تھا کہ اُن شرائط کو واضح کیا جائے جو قانونی سطح پر کسی شخص کے اسلام کے اظہار کے لیے ضروری ہیں۔ چنانچہ اِس آیت میں ایمان کی سطح پر اپنے کفر سے باز آ کر اسلام کے ایمانیات کو بعینہٖ اختیار کر لینے اور عملی طور پر صلوٰۃ کا قیام اور زکوٰۃ کی ادائیگی کو بطور شرائط بیان کر دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی درج بالا حدیث میں یہی شرائط ذرا تفصیل سے بیان فرمائی ہیں، اس لیے اِن شرائط کو پورا کرنا بعد کے زمانوں میں بھی کسی فرد یا گروہ کے قانونی سطح پر اسلام پر ہونے کے لیے معیار ہیں۔ اب جو لوگ شعوری طور پر قرآن و سنت میں بیان کئے گئے ایمانیات کے خلاف ایمان اختیار کریں وہ لوگ اِن میں سے پہلی شرط پر بالبداہت پورے نہیں اترتے۔ کیونکہ اُنھوں نے اللہ پر ایمان کے قرآنی ضابطے کو قبول کرنے کے بجائے اِس بات کو قبول کر لیا ہے کہ ایمانیات کو براہ راست قرآن و سنت سے حاصل کرنے کے بجائے، انہوں نے خود کو، اپنے اکابرین اور آباؤ اجداد کو بھی یہ حق دے رکھا ہے کہ دین و ایمان میں جو بھی کمی بیشی کر کے پیش کر دیں، اِنہیں وہ قبول ہے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ ارادتاً دین و ایمان میں تغیر و تبدل کرنے کو جائز جانتے ہوں وہ اللہ کے خالص دین کا انکار کرنے کے بعد ہی یہ قدم اٹھانے کی جسارت کر سکتے ہیں۔

جہاں تک نبوت پر ایمان کا معاملہ ہے، کچھ لوگوں نے محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم نبوت کے قرآنی فیصلے کے بعد بھی باقاعدہ نبوت کے دعوے کئے ہیں، جن میں آخری دور کے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بھی ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا قرآن و سنت

اس طرح کے دعوے کی گنجائش دیتے ہیں؟ کیا ان لوگوں نے یہ بات قرآن مجید سے حاصل کی ہے؟ یا کوئی محکم صحیح حدیث اس معاملے میں ان کی رہنمائی کرتی ہے؟ ایمان کا مسئلہ تو اتنا بنیادی مسئلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صرف ایک مقام پر ہی نہیں بلکہ جگہ جگہ انبیاء علیہم السلام کی پوری پوری دعوتیں بیان کرکے اس مسئلے کو واضح فرمادیا ہے کہ کن کن باتوں پر ایمان لانا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی اس کی وضاحت کرتے گذری ہے لیکن مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے اس ساری سرگذشت کو نظر انداز کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ ایک متوازی دین کی داغ بیل رکھی بلکہ اس سے بڑھ کر ان تمام مسلمانوں کو کافر بھی قرار دیا جو ان کو "نبی" نہ مانیں اور ان کی اطاعت کرتے ہوئے ان کے دین میں نہ آجائیں۔ بعض لوگ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعویٰ ءِ نبوت اور احمدی حضرات کے اُن کو نبی ماننے کے عقیدے کو بھی محض تاویل کی غلطی سمجھتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو یہ اپروچ خود قرآن مجید پر سوالات اٹھا دیتی ہے کہ کیا اللہ رب العزت کا اپنی آخری کتاب قرآن مجید میں ایمانیات کو بیان کرنے کا انداز اتنا ہی غیر واضح اور مبہم ہے کہ لوگ بنیادی ایمانیات میں بھی تاویل کی غلطی میں پڑ جائیں۔ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ[2] کا دعویٰ اتنا ہی بودا ہے کہ کوئی بھی شخص معصومیت کے ساتھ کسی صریح ایمانی انحراف کا شکار ہو جائے یا پھر اس کے آخری رسول محمد ﷺ کا پیغام اتنا ہی مبہم اور غیر واضح تھا کہ بعد کے لوگ بنیادی ایمانیات کے تعین سے بھی قاصر رہے؟ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

چونکہ احمدی حضرات مرزا غلام احمد صاحب قادیانی پر بحیثیت نبی ایمان رکھتے ہیں۔ تحقیق کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا یہ ایمان کسی آیت کی غلط تاویل کا نتیجہ نہیں ہے جس کی رعایت اُنھیں دی جاسکتی ہو۔ کیونکہ مرزا صاحب کا معاملہ یہ ہے کہ وہ نبوت کے تسلسل کے قائل ہیں اور اِس کے لئے وہ یہ نہیں کرتے کہ ختم نبوت کی آیت کی کوئی تاویل و توجیہ کرتے ہوں بلکہ اُن کا معاملہ اِس سے ایک قدم آگے کا ہے۔ وہ اپنے لیے دعویٰ ءِ نبوت کر رہے ہیں۔ اِس دعویٰ ءِ نبوت کے لیے وہ قرآن سے کوئی دلیل نہیں لاتے، بلکہ ان کا ماخذ صرف اُن کے اپنے اوپر اترنے والی "وحی" ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احمدی حضرات اگر مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں تو پھر اُن کی یہ مجبوری ہے کہ وہ اپنی ایک الگ امت بنا کر اُس نبی کے تمام منکرین کو کافر قرار دیں۔ یہ کرنا اُن کی دینی مجبوری ہے کیونکہ خود قران مجید یہ کہتا ہے کہ جس نے اللہ کے کسی نبی کا انکار کیا، وہ پکا کافر اور جہنمی ہے[3]۔

---

2 باطل اس میں نہ اس کے سامنے سے آسکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے (حم السجدة:42)

3 إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا (150) أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا (151) [النساء: 150، 151] جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم کسی کو مانیں گے اور کسی کو نہ مانیں گے۔ اور وہ چاہتے ہیں کہ اس کے بیچ میں ایک راہ نکالیں۔ تو ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں اور کافروں کیلئے ہم نے ذلت دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعویٰءِ نبوت کا اصل ماخذ

مرزا صاحب کے دعویٰءِ نبوت کی کیا حیثیت ہے اس کو جاننے کے لئے انہی کی تصانیف کی جانب رجوع کرنا ضروری ہے۔ مرزا صاحب نے بہت زیادہ لکھا ہے لہذا اُن کی تصانیف کے کئی مقامات کے حوالے دیے جاسکتے ہیں، مگر ایک مقام ایسا ہے جہاں مرزا صاحب نے ایک سوال کے جواب میں ایک مسلمان سے ایک نبی بننے تک کے اپنے سفر کی پوری روداد خود بیان کر دی ہے۔ لہذا انہی کی تصانیف کا اقتباس خود وہ زاویہ بالکل کھول کر رکھ دے گا، جس سے مرزا صاحب اپنی حیثیت کو دیکھ رہے ہیں اور دوسروں کے سامنے اُسے بیان کر رہے ہیں۔ اِس کے ساتھ اُن کی اِس حیثیت کو نہ ماننے کے جو نتائج نکلتے ہیں، وہ اس اقتباس میں اُنھیں خود ہی بیان بھی کر دیتے ہیں۔ اِس اقتباس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جائے گی کہ مرزا صاحب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی و نبوت کے کسی عمومی تسلسل[4] کی بحث نہیں کر رہے، بلکہ اپنی نبوت کا مستقل بالذات دعویٰ کر رہے ہیں۔

مرزا صاحب کے اپنے اِس بیان سے یہ حقیقت بھی بالکل واضح ہو جائے گی کہ وہ قرآن و حدیث کی کسی توجیہ و تاویل کے عمل سے گزر کر اِن نتائج فکر تک نہیں پہنچے۔ بلکہ یہ ان کے اپنے زعم کے مطابق اُن پر بارش کی طرح اترنے والی وحی تھی، جس نے اُنھیں یقین دلا دیا کہ وہ اِس امت کے ایک ایسے مسیح ہیں، جو ایک نبی بھی ہے۔ یہ نبی اگرچہ خود کو نبی امتی کہتا ہے، مگر چونکہ نبی ہے، اِس لیے اِس کا انکار کرنے والے دائرۂ اسلام سے نکل کر مرتد ہو جاتے ہیں۔

ذیل میں مرزا صاحب کی اپنی عبارت کو نقل کیا گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

روحانی خزائن جلد۲۲ ۱۵۲ حقیقة الوحی

﴿۱۴۸﴾ اب ہم اُن چند وساوس کا جواب دیتے ہیں جن کا جواب بعض حق کے طالبوں نے مجھ سے دریافت کیا ہے اور اکثر ان میں وہ وساوس ہیں کہ جو عبدالحکیم خان اسسٹنٹ سرجن پٹیالہ نے تحریراً یا تقریراً لوگوں کے دلوں میں ڈالے اور اپنے مرتد ہونے پر ایسی مُہر لگا دی کہ اب غالباً اس کا خاتمہ اسی پر ہوگا۔ میں نے اِن چند وساوس کا جواب منشی برہان الحق صاحب شاہجہانپور کے اصرار سے لکھا ہے جو اُنہوں نے نہایت انکسار سے اپنے خط میں ظاہر کیا ہے۔ چنانچہ میں ذیل میں منشی برہان الحق کے خط کی اصل عبارت ہر ایک سوال میں لکھ کر اُس کا جواب دیتا ہوں۔ و باللّٰہ التوفیق۔

روحانی خزائن کمپیوٹرائزڈ، اشاعت سنہ 2008، جلد ۲۲-حقِیقۃُالوَحی: صفحہ 152

4 وحی و نبوت کے عمومی تسلسل سے مراد صوفیاء کے وہ دعوے ہیں جو انہوں نے قران و حدیث کی تاویلات کرتے ہوئے بیان کئے ہیں جیسا کہ کشف و الہام وغیرہ اور کسی امتی کا تقویٰ اختیار کرتے کرتے مقام نبوت تک پہنچ جانے کے نظریات وغیرہ۔ یقیناً یہ دعوے بھی اپنی اصل میں اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہیں اور کفر کی راہیں کھولنے والے ہیں۔

آپ ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ گفتگو کے آغاز ہی میں مرزا صاحب نے وہ مسئلہ واضح کر دیا ہے جو اُن کے دعویٰء نبوت سے پیدا ہو جاتا ہے۔ یعنی ایک نبی جب آ جاتا ہے تو وہ اپنی قوم کے لیے کفر و ایمان کا مسئلہ پیدا کر دیتا ہے۔ ایک شخص عبدالحکیم خان جس نے اُن کی نبوت پر سوالات اٹھائے، مرزا صاحب نے اُس کو مرتد قرار دے کر یہ بتا دیا کہ اُن پر ایمان کا دائرہ ہی دائرہ ایمان ہے اور اِس دائرے سے نکلنے کا مطلب مرتد ہو جانا ہے۔ یاد رہے کہ یہ کسی صوفی کے حلقہ ارادت (مریدی) سے نکل جانے کا معاملہ نہیں ہے، جو محض کسی الہام اور کشف کا دعویدار ہو۔ بلکہ یہ دعویٰ ایک نبی کا دعویٰ ہے اور یہ کلام ایک نبی کا کلام ہے، جو دوسروں کے کفر و ایمان کے فیصلے کر رہا ہے۔ لہٰذا مرزا صاحب کے دعوے کی یہی وہ نوعیت ہے جس نے اُنھیں اُن صوفیا سے مختلف بنا دیا ہے جو مختلف دعوے کرتے ہیں۔ صوفیاء لوگ دعوے تو کرتے ہیں، مگر دوسروں کے کفر و ارتداد کے فیصلے نہیں کرتے۔ لیکن مرزا صاحب اپنی نبوت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور ساتھ ہی دوسروں کے ایمان کا فیصلہ بھی کر دیتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اُن کی اپنی دانست میں نبی ہونے کا تقاضا ہے۔ نبی کا انکار کفر ہے، اِس لیے اُن کے اس دعوے کے ساتھ ہی معاشرے میں کفر و ایمان کا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ اِس مسئلے کے ظہور کے بعد مسلم معاشرے کو یہ جواز مل گیا کہ وہ مرزا صاحب اور اُن کے پیروؤں کے بارے میں کوئی اصولی فیصلہ اختیار کرے۔ دوسری طرف قرآن مجید بھی مسلم ریاست کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ کسی فرد یا گروہ کے بارے میں کچھ شرائط کے پورا ہونے یا نہ ہونے کی بنیاد پر ان کی قانونی حیثیت طے کریں۔ چنانچہ کوئی ریاست یہ قدم اٹھا لیتی ہے تو یہ اُس کا حق ہے جو اس نے استعمال کر لیا۔ اِس میں دینی و شرعی لحاظ سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ چنانچہ اِسے اخلاقی اور دینی طور پر غلط نہیں سمجھا جا سکتا۔

اس کے بعد مرزا صاحب لکھتے ہیں:

> یاد رہے کہ اس بات کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مجھے ان باتوں سے نہ کوئی خوشی ہے نہ کچھ غرض کہ میں مسیح موعود کہلاؤں یا مسیح ابن مریم سے اپنے تئیں بہتر ٹھہراؤں۔ خدا نے میرے ضمیر کی اپنی اس پاک وحی میں آپ ہی خبر دی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے **قُلْ اُجَرِّدُ نفسی من ضروب الخطاب**. یعنی ان کو کہہ دے کہ میرا تو یہ حال ہے کہ میں کسی خطاب کو اپنے لئے نہیں چاہتا یعنی میرا مقصد اور میری مُراد اِن خیالات سے برتر ہے اور کوئی خطاب دینا یہ خدا کا فعل ہے میرا اس میں دخل نہیں ہے۔

روحانی خزائن کمپیوٹرائزڈ، اشاعت سنہ 2008، جلد ۲۲-حقیقۃُالوحی: صفحہ 152

دیکھ لیجیے کہ یہاں صراحت کے ساتھ وہ خود پر وحی اترنے کا دعویٰ بھی کر رہے ہیں اور اُس وحی کو نقل بھی کر رہے ہیں جو اُن پر اتری ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں:

رہی یہ بات کہ ایسا کیوں لکھا گیا ہے اور کلام میں یہ تناقض کیوں پیدا ہو گیا۔ سو اِس بات کو توجہ کر کے سمجھ لو کہ یہ اسی قسم کا تناقض ہے کہ جیسے براہین احمدیہ

روحانی خزائن جلد۲۲ ۱۵۳ حقیقۃ الوحی

میں مَیں نے یہ لکھا تھا کہ مسیح ابن مریم آسمان سے نازل ہوگا۔ مگر بعد میں یہ لکھا کہ آنے والا مسیح میں ہی ہوں اِس تناقض کا بھی یہی سبب تھا کہ اگرچہ خدا تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں میرا نام عیسیٰ رکھا اور یہ بھی مجھے فرمایا کہ تیرے آنے کی خبر خدا اور رسول نے دی تھی۔ مگر چونکہ ایک گروہ مسلمانوں کا اس اعتقاد پر جما ہوا تھا اور میرا بھی یہی اعتقاد تھا کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر سے نازل ہوں گے اِس لئے میں نے خدا کی وحی کو ظاہر پر حمل کرنا نہ چاہا بلکہ اس وحی کی تاویل کی اور اپنا اعتقاد وہی رکھا جو عام مسلمانوں کا تھا اور اسی کو براہین احمدیہ میں شائع کیا ﴿۱۴۹﴾

روحانی خزائن کمپیوٹرائزڈ، اشاعت سنہ 2008، جلد ۲۲-حقیقۃُالوَحی: صفحہ 152-153

اس پیراگراف سے صاف ظاہر ہے کہ مرزا صاحب پہلے دن ہی سے وحی پر کھڑے تھے، مگر چونکہ مسلم روایت کے پس منظر میں اُن کا اعتقاد یہ تھا کہ احادیث میں جس مسیح کا ذکر ہے وہ عیسیٰ ابن مریم ہیں جو آسمانوں پر زندہ موجود ہیں اور وہیں سے نازل ہوں گے، اِس لیے اُنھیں اِس میں تامل تھا کہ خود کو اِن روایات کا مصداق سمجھیں۔ چنانچہ اُنھوں نے اِس وحی کے باوجود جو اُنھیں اپنے مسیح ہونے کا یقین دلا رہی تھی، مسیح سے متعلق احادیث کی تاویل و توجیہ نہیں کی، بلکہ وہ اپنے اوپر ہونے والی وحی کی تاویل کرتے رہے۔ جی ہاں، تاویل وہ اُس وحی کی کر رہے ہیں جو اُن کی دانست میں اُن پر ہو رہی تھی نہ کہ قرآن و حدیث کی۔

یہاں تک پہنچنے کے بعد مرزا صاحب اب واضح کرتے ہیں کہ یہ بارش کی طرح اُن پر نازل ہونے والی وحی ہی تھی جس نے اُنھیں مجبور کیا کہ وہ اپنے پیدائشی اعتقاد کو چھوڑیں اور وہ دعوے کریں جو انھوں نے بعد میں کیے۔ وہ لکھتے ہیں:

لیکن بعد اس کے اس بارہ میں بارش کی طرح وحی الٰہی نازل ہوئی کہ وہ مسیح موعود جو آنے والا تھا تو ہی ہے اور ساتھ اس کے صدہا نشان ظہور میں آئے اور زمین و آسمان دونوں میری تصدیق کے لئے کھڑے ہو گئے اور خدا کے چمکتے ہوئے نشان میرے پر جبر کر کے مجھے اس طرف لے آئے کہ آخری زمانہ میں مسیح آنے والا میں ہی ہوں ورنہ میرا اعتقاد تو وہی تھا جو میں نے براہین احمدیہ میں لکھ دیا تھا

روحانی خزائن کمپیوٹرائزڈ، اشاعت سنہ 2008، جلد ۲۲-حقیقۃُالوَحی: صفحہ 153

غور کیجیے کہ مرزا صاحب تو کوئی تاویل و توجیہ کرنے پر آمادہ نہ تھے، مگر بارش کی طرح اترنے والی وحی، صدہا نشانات اور زمین و آسمان کی طرف سے تصدیق نے اُن کو مجبور کر دیا کہ وہ خود کو مسیح قرار دیں۔ مگر اب سوال یہ پیدا ہو گیا کہ پھر اُن احادیث کا کیا

کیا جائے جو مسیح ابن مریم کی بات کر رہی ہیں؟ ان سے کیسے نمٹا جائے؟ چنانچہ اب وہ اِس مسئلے کا حل قرآن کی روشنی میں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اور پھر میں نے اس پر کفایت نہ کرکے اس وحی کو قرآن شریف پر عرض کیا تو آیات قطعیۃ الدلالت سے ثابت ہوا کہ درحقیقت مسیح ابن مریم فوت ہو گیا ہے اور آخری خلیفہ مسیح موعود کے نام پر اسی اُمّت میں سے آئے گا۔ اور جیسا کہ جب دن چڑھ جاتا ہے تو کوئی تاریکی باقی نہیں رہتی اسی طرح صدہا نشانوں اور آسمانی شہادتوں اور قرآن شریف کی قطعیۃ الدلالت آیات اور نصوص صریحہ حدیثیہ نے مجھے اِس بات کے لئے مجبور کر دیا کہ میں اپنے تئیں مسیح موعود مان لوں۔

روحانی خزائن کمپیوٹرائزڈ، اشاعت سنہ 2008، جلد ۲۲-حقیقۃُ الوحی: صفحہ 153

یہاں وہ سورہ آل عمران کی آیت 'إنی متوفیك' کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ نکتہ اٹھا رہے ہیں کہ آیت کے مطابق مسیح ابن مریم کی تو وفات ہو چکی ہے۔ چنانچہ جس آنے والے کی خبر احادیث میں ہے، وہ مسیح ابن مریم تو ہو نہیں سکتے۔ چنانچہ انھیں مسیح ہونے کی جو خبر دی جا رہی ہے، اِس میں نزول مسیح کی روایات کسی طور پر رکاوٹ نہیں بن سکتیں۔ بعد میں مسیح ابن مریم سے متعلق اِن روایات کو مرزا صاحب نے اپنے دعویٰ کی تصدیق میں پیش کر دیا۔ چنانچہ مرزا صاحب کا یہ ٹھاٹ پروسس واضح رہنا چاہیے کہ وہ قرآن و حدیث پر غور کرتے کرتے کوئی دعوی نہیں کر بیٹھے۔ بلکہ قرآن و حدیث اصلاً اُن کے شخصی دعووں کی راہ میں حائل تھے۔ یہ اُن پر اترنے والی وحی، اُنھیں ملنے والی صدہا نشانیاں اور آسمانی شہادتیں ہی ہیں، جو اُنھیں اِس مقام تک لائی ہیں۔ توجیہ و تاویل اگر کچھ ہوئی تو یہ بعد کا معاملہ ہے۔

ابھی تک اُن کے اِس سفر میں وہ مسیح ہی بنے تھے۔ مگر اس سے آگے بڑھتے ہوئے اب وہ حریم نبوت میں نقب لگانے کی تیاری کرتے ہیں۔ تاہم اِس کی ذمہ داری بھی خود لینے پر تیار نہیں ہیں۔ وہ اِس کا الزام بھی اللہ تعالیٰ ہی پر ڈالتے ہیں:

> میرے لئے یہ کافی تھا کہ وہ میرے پر خوش ہو مجھے اِس بات کی ہرگز تمنا نہ تھی۔ میں پوشیدگی کے حُجرہ میں تھا اور کوئی مجھے نہیں جانتا تھا اور نہ مجھے یہ خواہش تھی کہ کوئی مجھے شناخت کرے۔ اُس نے گوشۂ تنہائی سے مجھے جبراً نکالا۔ میں نے چاہا کہ مَیں پوشیدہ رہوں اور پوشیدہ مروں مگر اُس نے کہا کہ مَیں تجھے تمام دنیا میں عزّت کے ساتھ شہرت دُوں گا۔ پس یہ اُس خدا سے پوچھو کہ ایسا تو نے کیوں کیا؟ میرا اس میں کیا قصور ہے۔

روحانی خزائن کمپیوٹرائزڈ، اشاعت سنہ 2008، جلد ۲۲-حقیقۃُ الوحی: صفحہ 153

اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دینے کے بعد وہ بارش کی طرح نازل ہونے والی وحی کی روشنی میں یہ اعلان کرتے ہیں کہ اُن کو صریح طور پر نبی کا خطاب مل چکا ہے۔

> سے پوچھو کہ ایسا تو نے کیوں کیا؟ میرا اس میں کیا قصور ہے۔ اسی طرح اوائل میں میرا یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح ابن مریم سے کیا نسبت ہے وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے ہے۔ اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا تو میں اُس کو جزئی فضیلت قرار دیتا تھا۔ مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی اُس نے مجھے اِس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا اور ﴿۱۵۰﴾
>
> روحانی خزائن جلد۲۲ ۱۵۴ حقیقۃ الوحی
>
> صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا

روحانی خزائن کمپیوٹرائزڈ، اشاعت سنہ 2008، جلد ۲۲ - حقیقۃ الوحی: صفحہ 153-154

یہاں خیال رہے کہ وہ مسیح ابن مریم اور ان کی نبوت کا حوالہ دے رہے ہیں، مگر اوپر بیان ہو چکا ہے کہ قرآن سے وہ یہ اخذ کر چکے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم تو فوت ہو چکے ہیں۔ چنانچہ یہ مسیح، ایک نیا مسیح ہے اور یہ نبی ایک نیا نبی ہے۔ اپنی ذات کے حق میں اِس دعوائے مسیحیت اور دعوائے نبوت کا ماخذ سر تا سر اُن پر بارش کی طرح اترنے والی وحی ہے۔ وہ قرآن و حدیث سے ایسی کسی غلط فہمی میں نہیں پڑے۔

ہم نے مرزا صاحب کی بات کو بیچ میں روکا تھا، کیونکہ وہ اگلے جملے میں اعلان نبوت کی اِس سنگینی کو کچھ کم کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور اس پر الگ سے تبصرہ درکار تھا۔ چنانچہ ہم اُن کی بات وہیں سے نقل کر رہے ہیں، جہاں اوپر چھوڑی تھی:

> اور
>
> روحانی خزائن جلد۲۲ ۱۵۴ حقیقۃ الوحی
>
> صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا مگر اِس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمّتی☆ اور جیسا کہ مَیں نے نمونہ کے طور پر بعض عبارتیں خدا تعالیٰ کی وحی کی اِس رسالہ میں بھی لکھی ہیں اُن سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح ابن مریم کے مقابل پر خدا تعالیٰ میری نسبت کیا فرماتا ہے۔

روحانی خزائن کمپیوٹرائزڈ، اشاعت سنہ 2008، جلد ۲۲ - حقیقۃ الوحی: صفحہ 153-154

وہ خود کو نبی کہنے کے ساتھ امتی یا امتی نبی بھی کہتے ہیں۔ اِس کے علاوہ بھی بعض دیگر تعبیرات اختیار کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں اپنی حیثیت کو کمتر بیان کر کے اپنے دعوے کی سنگینی کو کچھ کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر جیسا کہ اُن

کے اقتباس کے آغاز میں اُن کے ایک شخص کو مرتد قرار دینے کے پس منظر میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ نبوت تو نبوت ہوتی ہے۔ اِس کا انکار کفر ہی ہو گا اور اِس کو مان کر چھوڑ دینا ارتداد کہلائے گا۔ مرزا صاحب بھی اپنی اِس نبوت کو ایسے ہی دیکھتے ہیں۔ وہ اپنی اِس وحی کو ایمانیات کا ایسا ہی حصہ سمجھتے ہیں جیسے پچھلے انبیا پر اترنے والی وحی کو۔ چنانچہ وہ آگے لکھتے ہیں:

> میں خدا تعالیٰ
> کی تیئیس ۲۳ برس کی متواتر وحی کو کیونکر ردّ کر سکتا ہوں۔ میں اُس کی اِس پاک وحی پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جیسا کہ اُن تمام خدا کی وحیوں پر ایمان لاتا ہوں جو مجھ سے پہلے ہو چکی ہیں

روحانی خزائن کمپیوٹرائزڈ، اشاعت سنہ 2008، جلد ۲۲۔ حقیقۃُالوَحی: صفحہ 154

اپنی وحی کو ایمانیات میں شامل کرنے کے اُن کے اِس دعوے کے ساتھ ہم اِس اقتباس کو ختم کرتے ہیں۔ اِس اقتباس سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ مرزا صاحب اوّل تا آخر اپنے اوپر اترنے والی وحی کی روشنی میں کھڑے ہیں۔ نہ اُنھیں قرآن کی کسی آیت سے یہ تائید ملی ہے کہ وہ اللہ کے نبی ہیں، نہ نزول مسیح کی روایات سے یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ وہ مسیح ہیں۔ یہ اُن پر اترنے والی وحی ہے جس نے اُنھیں اپنے اِن مناصب کو ماننے پر مجبور کر دیا، ورنہ وہ تو اعتقاداً عام مسلمانوں کی جگہ پر کھڑے تھے۔ اِس کے بعد اگر اُنھوں نے کچھ کیا ہے تو یہ کیا کہ قرآن و حدیث میں جو کچھ چیزیں اُن کی راہ میں رکاوٹ تھیں، اُن کی تاویل و توجیہ کی۔ چنانچہ یہ بات کہ مرزا صاحب کو قرآن کی کسی آیت سے اپنے نبی ہونے کی غلط فہمی ہوئی یا نزول مسیح کی احادیث اُنھیں اِس جگہ تک لے جانے کا باعث بنی ہیں، اِس رائے کو خود مرزا صاحب قبول نہیں کرتے۔

اس ساری تفصیلات سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اور امت کے دیگر مسالک اور مکاتبِ فکر کا معاملہ یکساں نہیں ہے لہذا ان کو ایک دوسرے پر قیاس کرنا کسی صورت بھی دیانت دارانہ فیصلہ نہیں ہے۔ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے بہت سے مسالک اور مکاتب فکر تاویل کے اختلاف اور دین فہمی کے اصولوں کے اختلاف کی بنا پر وجود میں آئے ہیں جبکہ مرزا صاحب کسی تاویل اور اصولوں کے اختلاف کی بنا پر دعویٰ نبوت نہیں کرتے بلکہ ان کے دعوے کے مطابق، انہوں نے یہ دعویٰ خود پر بارش کی طرح نازل ہونے والی "وحی" کی روشنی میں کیا ہے۔ اس طرح دعویٰ نبوت کر کے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے ایک الگ امت کی بنیاد رکھ دی اور لوگوں کو اپنی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت بھی دی اور ایمان نہ لانے کی صورت میں ان کو کافر اور مرتد بھی قرار دیا۔ یہی وہ مسئلہ تھا جس نے باقی امت کو ان کے بارے میں اصولی فیصلہ کرنے پر مجبور کیا۔ یہ امت، آخری نبی محمد عربی ﷺ کی آخری امت ہے۔ جس طرح نبوت کا دروازہ بند ہو جانے کے بعد اب کسی بھی شکل میں کوئی نبی آنے والا نہیں، اسی طرح اب کوئی نئی امت بھی بننے والی نہیں۔ کسی مذہبی رہنما کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ایک الگ امت نما تحریک پیدا کر لے اور اعلان کر دے کہ اب مومن صرف وہی ہے جو اس کی قیادت اور امارت کو تسلیم کرے گا۔ بصورت دیگر کسی شخص کے کافر ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ اس نے اس رہنما کی بیعت

نہیں کی یا اس کے تیار کردہ نظم کو قبول نہیں کیا۔ یہ فیصلہ بھی خود کو غیر اعلانیہ طور پر منصبِ نبوت پر فائز کرنے کے مترادف ہے۔

ایمانیات میں اضافہ کفر ہے

ایمانیات کا مسئلہ کسی بھی مسلمان کے لئے بنیادی مسئلے کی اہمیت رکھتا ہے اور ایمانیات میں کسی استنباط، تاویل اور توجیہ کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، بلکہ ایمانیات کے جن اجزاء پر جو مطالبہ بھی کیا گیا ہوتا ہے اس پر اسی طرح یقین کرنا ہوتا ہے۔ ایمانیات کے اجزاء میں اضافے کے لیے جو واحد چیز قابل قبول ہو سکتی ہے، وہ کسی دوسرے مقام پر خود قرآن مجید ہی کا اپنا کوئی صریح بیان ہو سکتا ہے جو قرآن مجید کے پہلے مقام کی تبین و تشریح کرتا ہو۔ اِس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمانیات میں تاویل و توجیہ پر مبنی اضافوں کو کفر قرار دیا ہے۔ ایمانیات کے باب میں یہ بات اصولی ہے کہ اُنھیں جس طرح پیش کیا جاتا ہے بعینہٖ اُسی طرح قبول کرنا لازم ہے۔ اِس لیے کہ یہ انبیاء کی بنیادی دعوت اور ان کی لازمی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اِس باب میں انسانیت کی بالکل واضح اور صریح رہنمائی فرمائیں۔ اِس عمل میں وہ اپنے مخاطب معاشرے میں موجود کسی غلط رویے یا عقیدے کو ضمنی طور پر بیان کر دیتے ہیں۔ لیکن اُن کا یہ کام نہیں ہوتا کہ ہر ممکنہ گمراہی کی تردید کریں، کیونکہ گمراہی کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ چنانچہ اِس باب میں اُن کا کام صرف صحیح اور بنیادی بات بتانا ہوتا ہے۔ بعد کے دور کی ہر گمراہی کو نبی کے دور کی گمراہی پر قیاس کر کے ہی اس پر حکم لگایا جائے گا۔ لہٰذا ایمانیات کے ضمن میں اپنی طرف سے کوئی تبدیلی، کمی یا اضافہ کرنا، یہ سب کفریہ رویے ہیں۔

اس بات کو سمجھنے کے لئے قرآن مجید ہی سے ایک مثال لے لیتے ہیں۔ قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام توحید خالص کی دعوت دیتے ہوئے دنیا سے رفع ہوئے۔ بعد میں اُن کے پیروکاروں نے اُس توحید خالص کی دعوت میں یہ اضافہ کر دیا کہ "خود عیسیٰ ابن مریم ہی اللہ ہیں" یعنی مسیح ابن مریم اللہ تعالیٰ کا جسدی ظہور ہیں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ تثلیث کے تکون میں تین میں سے تیسرا ہے۔ یہ دونوں، وہ اضافے تھے جو توحید سے متعلق ایمانیات کے ضمن میں عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیم میں بعد میں کیے گئے تھے۔ مگر اِن اضافوں کو قرآن نے صراحت کے ساتھ سورہ مائدہ آیت 72-73 میں کفر قرار دیا5۔ چنانچہ یہ بات

---

5 لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَابَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ (72) لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهٌ وَاحِدٌ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (73)[المائدة: 72، 73]

ترجمہ: یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنھوں نے کہا کہ اللہ تو یہی مسیح ابن مریم ہے۔ حالاں کہ مسیح نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل، اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب ہے اور تمہارا رب بھی۔ جو شخص اللہ کا شریک ٹھہرائے گا تو اللہ نے حرام کی اس پر جنت اور اس کا ٹھکانا آگ ہے۔ اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنھوں نے

بالکل عیاں ہے کہ ایمانیات میں اضافہ کرنا کوئی علمی یا تاویل کی غلطی نہیں، بلکہ کفر ہے۔ اسی طرح نبوت کے باب میں بھی قرآن مجید کی یہ تعلیم ہے کہ محمد ﷺ اور اُن سے پہلے کے انبیاء پر اور ان پر نازل شدہ کتابوں پر ایمان ضروری ہے، بالخصوص جن کو خود قرآن نے اللہ کے پیغمبر بتایا ہے، لہٰذا اِس امر میں بھی من گھڑت اضافہ کرنا، اُسے اسلامی ایمانیات میں شامل کرنا، بالبداہت واضح ہے کہ یہ بھی کفر ہے۔

کفر اور کافر کا اطلاق

یہاں یہ واضح رہے کہ ہم جس وقت "کفر" کا لفظ بول رہے ہیں تو اِس سے ہمارا مقصود کسی فرد یا گروہ پر کفر کا ایسا حکم لگانا قطعًا نہیں ہے، جس کا حق صرف اللہ اور اُس کے رسولوں ہی کو حاصل ہوتا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کے مخاطبین کے سامنے حق کو آخری درجے میں واضح کر کے اُن پر اتمام حجت کر دیتا ہے اور اُن کے اخروی انجام کا فیصلہ اِسی دنیا میں سنا کر انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دیتا ہے۔ قرآن مجید میں اس عمل کو "سنتُ اللہ" کہا گیا ہے6۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی آخری رسالت کے بعد یہ حق، ظاہر ہے کہ نہ کسی عالم کو حاصل ہے، نہ علما کے کسی گروہ کو اور نہ ہی کسی ریاست کو یہ حق حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ کسی کو کافر قرار دے کر اسے صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوشش کریں۔ اِس کی جسارت اب کوئی کرے گا تو اُسے جان لینا چاہیے کہ اُس کا یہ عمل اللہ اور اُس کے رسول کی جگہ خود کو رکھنے کا عمل ہو گا، جس کا کسی کو کوئی حق حاصل نہیں۔ کفر ایک رویہ ہے جو جہاں کہیں پایا جائے تو اُسے بیان کیا جائے گا اور دلائل کے ساتھ اس کو رد کیا جائے گا، مگر مذکورہ بالا قرآنی اصطلاحی معنی میں کسی کو کافر قرار دینا ایک ربّانی فیصلہ ہے، اس فیصلے کا حق اِس دنیا میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے اور یہ حق کسی فرد یا اجتماع کو حاصل نہیں ہے، اس لئے کہ جب کسی فرد یا گروہ کو اللہ اور رسول کی سطح پر آکر کافر قرار دیا جائے تو لازمی طور پر ایک الگ امت کا وجود تسلیم کرنا لازم ہو جاتا ہے، جبکہ کسی نئی امت کا وجود صرف نئے نبی کی بعثت کے ساتھ ہی لازم و ملزوم ہے۔ کسی کو کافر قرار دے کر جس طرح ایک الگ امت قرار دیا جانا ہے اسی طرح یہ حقیقت میں کسی کی آخرت کا فیصلہ سنانا بھی ہے، جو وحی و رسالت کے بغیر ناممکن ہے۔ ہم امت مسلمہ کے مختلف افراد یا فرقوں کے نقطۂ نظر میں پائی جانے والی گمراہی کی نوعیت کو ہی ان پر واضح کر سکتے ہیں کہ یہ کس درجہ سنگین ہے۔ یہ کام بہر حال دین کے طالب علموں کو کرنا ہی ہوتا ہے اور یہ اُن کی ذمہ داری بھی ہے۔ اِس کے بعد ہمارا اصل کام لوگوں کو صحیح دین بتانا، سمجھانا اور حق کی دعوت دینا ہے۔ ہمارے کسی کو کافر کہنے سے اللہ نے اب اِس دنیا

کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔ حالاں کہ کوئی معبود نہیں سوائے ایک معبود کے۔ اور اگر وہ باز نہ آئے اس سے جو وہ کہتے ہیں تو ان میں سے کفر پر قائم رہنے والوں کو ایک دردناک عذاب پکڑے گا۔

6 فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا [فاطر: 43] **ترجمہ:** تو کیا یہ اسی سنت کے ظہور کا انتظار کر رہے ہیں جو اگلوں کے لیے ظاہر ہوئی تھی۔ (یہی بات ہے) تو تم اللہ کی اس سنت میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے اور نہ اللہ کی اس سنت کو کبھی ٹلتا ہوا دیکھو گے۔

میں کوئی فیصلہ نہیں سنانا اور نہ ہی ہم بحیثیت امتی کسی کو اس کے کفر کی سزا دینے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی کو امت سے خارج قرار دے سکتے ہیں، اس کا معاملہ اب اس کے اور رب کے حوالے ہے۔ہاں البتہ، کوئی شخص خود اپنے آپ کو کسی بات کا منکر کہتا ہو اور اپنے کفر کا صریحاً اقراری ہو تو اُسے اُس بات کا کافر یا منکر کہا جاسکتا ہے۔ بصورت دیگر بحیثیتِ داعی ہم کسی فرد یا گروہ کی گمراہی کو دیکھ کر اس کی گمراہی کو گمراہی سمجھ کر اسے دلائل کے ساتھ اصلاح کی دعوت ہی دے سکتے ہیں۔ دعوت کے اسلوب اور دعوت کے حدود کی تفصیل آپ پچھلے صفحات میں پڑھ ہی چکے ہیں۔

صوفیاء کے دعووں کی حیثیت

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کی کتاب اور اس کے نبی محمد ﷺ کی سنت پوری طرح محفوظ طریقے سے امت کو منتقل ہوئی ہیں۔ نبی ﷺ نے جہاں اپنی امت کے ایک گروہ کے حق پر قائم رہنے کی خبر دی تھی۔ وہیں آپ ﷺ نے اپنی امت کی گمراہی اور حق سے انحراف کرنے کے بارے میں بھی کافی پیش گوئیاں فرمائی تھیں۔ ہم دیکھتے ہیں وہ تمام گمراہیاں بھی اپنی پوری قوت کے ساتھ امت کے مختلف گروہوں میں پیدا ہو چکی ہیں۔ صرف ایمانیات ہی نہیں، بلکہ اِس سے ہٹ کر بھی دین کے مشمولات میں اضافوں کا سلسلہ جاری ہے۔ قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ اپنے اوپر وحی کا جھوٹا دعویٰ کرنا، اللہ پر جھوٹ گھڑنا7 اور بغیر علم کے اللہ کے نام پر دین بیان کرنا8 ایک نہایت سنگین اور بڑا جرم ہے۔ قرآن اِس پر اتنے سخت تبصرے کرتا ہے کہ اِسے شرک کے درجے کا گناہ قرار دیتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ صوفیاء کے بارے میں بھی مشہور ہے کہ انھوں نے کشف، الہام اور ہاتفِ غیبی سے آوازیں سننے کے دعوے کئے ہیں۔ یہ دعوے انہوں نے موضوع، منکر اور مجروح روایات پر اعتماد اور قرآن و صحیح احادیث کی تاویلات کرتے ہوئے کئے۔ان صوفیاء نے نبوت ورسالت کا باقاعدہ اعلان کر کے نہ تو کوئی الگ امت قائم کی اور نہ اپنے ماسوا کو صرف اس بنا پر کافر قرار دیا کہ وہ ان کے صوفیانہ دعووں کو کیوں نہیں مانتا۔ چونکہ ان صوفیاء نے باقاعدہ طور پر قران وسنت کی کسی نص کو ماننے سے انکار نہیں کیا تھا بلکہ تاویل و توجیہات سے کام چلایا تھا اس لئے یہ لوگ بہت سے اہل علم کے براہ راست فتووں سے بچ گئے لیکن کچھ اہل علم نے ان کے نظریات کے اسلامی تعلیمات کے خلاف اور اصولی طور پر اس انحراف کو بھی گمراہی قرار دیا ہے۔

---

7 وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ وَمَن قَالَ سَأُنزِلُ مِثْلَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ [الأنعام: 93] اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹی تہمت باندھے یا کہے کہ مجھ پر وحی آئی ہے، حالانکہ اس پر کوئی وحی نازل نہ کی گئی ہو۔ اور کہے کہ جیسا کلام اللہ نے اتارا ہے، میں بھی اتاروں گا۔

8 قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَن تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ [الأعراف: 33] کہہ دو، میرے پروردگار نے تو صرف فواحش کو حرام کیا ہے، خواہ وہ کھلے ہوں یا چھپے اور حق تلفی اور ناحق زیادتی کو حرام کیا ہے اور اس کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیراؤ، جس کے لیے اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور یہ کہ تم اللہ کے ذمہ ایسی بات لگاؤ جس کا تم علم نہیں رکھتے۔

بعض احباب صوفیاء کے ان دعووں کو محض تاویل کی غلطی سمجھتے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ کچھ لوگوں کے ساتھ ایسا ہی ہوا ہو، مگر ہر ایک کے ساتھ یہ معاملہ بالکل نہیں ہوا۔ تاہم یہ بات تو واضح ہے کہ ان صوفیاء نے اپنے ان مزعومہ دعووں کی بنا پر امت مسلمہ کے اندر کوئی الگ امت قائم کرنے کی کوشش نہیں کی اور دوسری بات یہ کہ ہر دور کے اہل علم صوفیاء کے ان گمراہ کن نظریات کی مخالفت بھی کرتے رہے ہیں اور یہ مخالفت ہونی بھی چاہئے تھی کیونکہ حق پسند اہل علم کی یہ بنیادی ذمہ داری ہے۔ ایسے گمراہ کن نظریات کی حقیقت کھولنا اس لئے بھی ضروری ہوتا ہے تاکہ لوگ انہیں حق نہ سمجھ لیں اور ان کی بنیاد پر کل کوئی جھوٹا مدعی نبوت نہ پیدا ہو جائے۔

بنیادی ایمانیات کا انکار کرنے والوں کے بارے میں نبی ﷺ اور صحابہ کا کردار

یہ بھی واضح رہے کہ ایمان اور توحید کا معاملہ محض کوئی نظری مسئلہ نہیں ہے۔ اِس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور آپ کے بعد صحابہ کرام اور خلفائے اسلام نے اس مسئلے پر کبھی کوئی مداہنت کا انداز اختیار نہیں کیا تھا۔ قوم زَط کے ستر آدمیوں نے جب علی رضی اللہ عنہ کو اعلانیہ الٰہ کہنا شروع کیا، یا حسین بن منصور حلاج نے "انا الحق" کہہ کر اپنی الوہیت کا اعلان کیا تو انہیں پہلے سمجھایا گیا مگر باز نہ آنے پر انہیں موت کی سزا دی گئی۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اگر کوئی اسلام کا اقراری توحید کا صاف انکار کر دے اور شرک کو جائز قرار دے کر دوسرے لوگوں کو بھی اپنے شرک میں مبتلا کرنا شروع کر دے، تو وہ ریاست اور عام مسلمانوں کی نظر میں بھی مومن نہیں رہتا، اس کے نقضِ اسلام میں بھی کوئی شک نہیں رہ جاتا، کیونکہ وہ اپنے اوپر کفر کی گواہی خود دے رہا ہے۔ یہی معاملہ مدعیانِ نبوت اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ کیا گیا تھا۔ نبوت کے دعوے کرنے والے بھی خود نبی ﷺ کے زمانے ہی میں اور اُس کے فوراً بعد نمودار ہو گئے تھے۔ چنانچہ یہ معاملہ اُسی وقت طے ہو گیا تھا کہ نبوت میں اضافہ کرنا بھی اصلاً ارتداد، یعنی دائرۂ اسلام سے خارج ہو جانا ہے۔ مسیلمہ کذاب کے سفیر جب نبی ﷺ کی خدمت میں اُس کے خط کے ساتھ حاضر ہوئے تو آپ نے اُن سے اُن کا اپنا موقف پوچھا۔ اُنھوں نے مسیلمہ کی تائید کی تو آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر سفیروں کے قتل کی ممانعت نہ ہوتی تو تم دونوں کی گردنیں ماردی جاتیں9۔ یہ واقعہ بتارہا ہے کہ نبی ﷺ نے اُن کی طرف سے مسیلمہ کی تصدیق کو اُن کے اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جانے پر محمول کیا اور وہ سزا بیان کر دی جو منکرینِ رسالت کے لیے قرآن نے بیان کی تھی، کیونکہ نبی ﷺ کی دعوت جس طریقے سے عرب میں پھیلی تھی اب آپ کی دعوت ورسالت کی حقانیت میں کسی طرح کے اشتباہ و تشکیک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔ اس لئے اتمام حجت کے بعد

---

9 أَمَا وَاللَّهِ لَوْلَا أَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ لَضَرَبْتُ أَعْنَاقَكُمَا (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث 2761)

جس طرح دیگر منکرینِ حق پر موت کی سزا کا اطلاق کیا گیا، بعینہ ایمان کا اقرار کرنے کے بعد ارتداد اختیار کرنے والوں اور مدعیانِ نبوت اور ان کے پیروکاروں کے بارے میں بھی اسی موت کی سزا کا نفاذ کیا گیا۔

چنانچہ اِسی بنا پر جزیرہ نمائے عرب میں صحابہؓ کرام نے سارے کفار و مشرکین اور مدعین نبوت کے خلاف بھی جنگ لڑی، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اتمام حجت کے بعد آپ کے مخاطب بنو اسماعیل پر لازم تھا کہ وہ دین اسلام کے ایمانیات کو بعینہ قبول کریں ورنہ ان کے کفر کی پاداش میں ان سے جنگ کر کے انہیں قتل کر دیئے جانے کا حکم تھا۔ مگر ہر طرح کے کفار کو یہ سزا فرشتوں نے نہیں، بلکہ صحابہ کرام نے دینی تھی10۔ اس لئے اب یہ ضروری تھا کہ صحابہ کرام کو بتایا جائے کہ کون سی شرائط پوری کرنے کے بعد کسی شخص کو قانونی طور پر مسلمان سمجھا جاسکتا ہے۔ چنانچہ تین شرائط بیان کر دی گئیں کہ کسی شخص کا اپنے کفر سے توبہ کرلینا، نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا، اس کے دعویٰءِ اسلام کو قانون و ریاست کی سطح پر قابل قبول بنادے گا۔ یہ سزا رسول کے اتمام حجت کے بعد ان کے مخاطبین کے لیے خاص تھی، مگر بعد میں بھی، کسی کے بھی دعویٰءِ اسلام کی قانونی سطح پر قبولیت کے لیے یہ شرائط ایک ابدی معیار بن گئیں۔

بہر حال صحابہ کرام اور خلفاء کا الوہیت و نبوت کے دعوے داروں سے جنگ کرنا صاف بتاتا ہے کہ ان کے نزدیک ان لوگوں نے یہ دعویٰ کر کے اور اُن کے پیروؤں نے اِس دعوے کو قبول کر کے کفر کا ارتکاب کیا تھا اور وہ قانونی طور پر دائرہ اسلام سے باہر ہو چکے تھے۔ چنانچہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اللہ کے مد مقابل کوئی خود الوہیت کا دعویٰ کرے یا کسی دوسری شخصیت کو اس مقام تک پہنچانے کی کوشش کرے، اسی طرح محمد ﷺ کے بعد نبوت کا ہر دعویدار اور اس کا ماننے والا اتنے سنگین جرم کا ارتکاب کرتا ہے کہ اس کا یہ دعویٰ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کفر شمار ہو گا اور قابل رد ہو گا۔

(**نوٹ:** اس آرٹیکل کا زیادہ تر حصہ ابو یحییٰ صاحب کی تحریروں سے ماخوذ ہے۔)

10 قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ [التوبة: 14] **ترجمہ:** تم ان سے جنگ کرو، اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے گا۔

محمد مبشر نذیر

اپنی شخصیت اور کردار کی تعمیر کیسے کی جائے؟ (پارٹ-4)

غصہ اور جارحیت

جنسی جذبے کی طرح غصہ اور جارحیت بھی ایک فطری جذبہ ہے جو انسان میں اس وقت پیدا ہوتا ہے جب اسے کسی مقصد کے حصول میں رکاوٹ پیش آئے ہو یا اپنی خواہش اور رضا مندی سے وہ جو کچھ کرنا چاہے نہ کر سکے۔ اس فطری جذبے کو عموماً ہمارے ہاں برا سمجھا جاتا ہے حالانکہ اس کا صرف غلط استعمال ہی برا ہوتا ہے۔ جارحیت کا غلط استعمال وہی ہوتا ہے جسے ہم اپنی روزمرہ زندگی میں دیکھتے ہیں کہ لوگ غصہ آنے پر گالی گلوچ، غیبت یا پھر لڑنے جھگڑنے پر اتر آتے ہیں۔ اسی کے نتیجے میں بہت مرتبہ ایک فریق دوسرے پر زیادتی بھی کر جاتا ہے۔ دنیا بھر میں تخریب کاری اور دہشت گردی اسی جذبے کے تحت ہوتی ہے۔

جارحیت کے جذبے کا صحیح استعمال یہ ہے کہ کسی جائز خواہش کی تکمیل میں اگر رکاوٹ پیدا ہو جائے تو اس سے پیدا ہونے والے جذبے کو مثبت رخ پر موڑ کر اسے قوت عمل میں تبدیل کر دیا جائے اور اس سے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے جائیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی ادارے میں ایک شخص کی ترقی کی راہ میں کوئی رکاوٹیں پیدا کر رہا ہے تو وہ اس سے لڑائی جھگڑا کرنے کی بجائے جارحیت کے جذبے کو اپنی صلاحیتوں کے بھرپور استعمال میں خرچ کرتے ہوئے اپنی اہلیت کو ثابت کرے۔

دین اسلام نے غصے کے بارے میں بھی رہنمائی کی ہے۔ قرآن مجید اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شدید غصے کی حالت میں انسان کو خود کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرنا چاہئے اور اس حالت میں کسی فیصلے سے اجتناب کرنا چاہئے۔ اس حالت میں بھی معاف کر دینا سب سے بہتر ہے: وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنْ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔ (آل عمران 3:134) "ایسے لوگ جو غصے پر قابو پانے والے ہوں اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہوں، بے شک اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصے کی حالت کے بارے میں تلقین فرمائی ہے کہ ایسا شخص اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہو تو لیٹ جائے۔ اس طرح اس کے غصے کی شدت کم ہو گی۔ اسی طرح بعض روایات میں ایسی حالت میں وضو کرنے کا حکم دیا گیا ہے تا کہ غصے کی شدت کنٹرول ہو۔

اگر ہم اپنے دائرہ کار میں کوئی برائی یا ظلم دیکھیں تو اسے ختم کرنے کی آرزو ہمارے اندر پیدا ہونی چاہئے۔ اس صورت میں بھی آپے سے باہر ہونا، اپنی حدود سے متجاوز کرنا اور دوسروں سے لڑائی جھگڑا کرنا درست نہیں۔ انسان کو ہمیشہ کوئی اقدام کرتے وقت خود کو ٹھنڈا رکھنا چاہئے اور کبھی بھی اپنی قانونی اور اخلاقی حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہئے۔

مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص معاشرے میں بے حیائی اور منشیات پھیلا رہا ہے۔ ایسی صورت میں اس سے ڈائرکٹ تصادم کی بجائے بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کے بارے میں قانون نافذ کرنے والے اداروں کو اطلاع دی جائے یا پھر معاشرے میں اس کے بائیکاٹ کی مہم چلائی جائے اور انہیں اس چیز کے نقصانات سے آگاہ کیا جائے۔ بعض لوگ ان اداروں کی نااہلی اور کرپشن کو بنیاد بنا کر خود لڑائی جھگڑا کرنے پر اتر آتے ہیں۔ ان کا یہ طرز عمل درست نہیں کیونکہ ہمیں اتنا ہی کام کرنا چاہیے جتنے کا ہم سے تقاضا کیا گیا ہے۔ اپنی قانونی و اخلاقی حدود سے تجاوز کر کے ہم خود ایک نئے غلط کام کا آغاز کر رہے ہوتے ہیں جس کے نتائج بسا اوقات اس سے کہیں برے نکلتے ہیں جو اس شخص کے کام سے نکل سکتے ہوں۔

مایوسی و تشویش (Frustration)

مایوسی اس صورت میں پیدا ہوتی ہے جب ہماری کسی خواہش کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہو جائے اور ہمیں اس کے لئے کوئی متبادل راستہ بھی نظر نہ آ رہا ہو۔ خواہش کی شدت اور دوسروں سے بہت زیادہ توقعات وابستہ کرنا مایوسی کی شدت میں بہت زیادہ اضافہ کر دیتا ہے۔ مایوسی کو کم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان دوسروں سے زیادہ توقعات وابستہ نہ کرے اور خواہش پوری نہ ہونے کی صورت میں تھک کر نہ بیٹھ جائے بلکہ اس کے لئے دوسرے متبادل ذرائع تلاش کرتا رہے۔

دین اسلام اس سلسلے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے اور ہمیں اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہونے کا درس دیتا ہے: قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعاً۔ "اے نبی آپ میری طرف سے فرما دیجیے کہ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ بے شک اللہ تمام گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔" اس موضوع پر ہم نے تفصیل سے اپنی تحریر "مایوسی سے نجات کیسے؟" میں بحث کی ہے۔

خوشی و غمی

یہ زندگی کا وہ پہلو ہے جس کا سامنا ہمیں کرنا ہی پڑتا ہے۔ ہر انسان کو اس زندگی میں بہت سے دکھ جھیلنا پڑتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ بہت سی خوشیاں بھی سمیٹتا ہے۔ خوشی و غمی میں ہمارا رویہ ہماری شخصیت کا اہم ترین جزو ہے۔ بعض لوگ خوشی ملنے پر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور اپنی خوشی کے اظہار کے وہ طریقے اختیار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ اسی طرح غمی کے موقع پر بھی چیخ و پکار اور رونا دھونا شروع کر دیتے ہیں۔

قرآن مجید اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے ہمیں اس معاملے میں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ خوشی کے موقع پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے اور غمی کے موقع پر صبر کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوشی کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے اور نماز پڑھ کر، صدقہ و خیرات کر کے اور قربانی دے کر اپنی خوشی کا اظہار فرماتے۔ عیدین کے موقع پر اسی لئے صدقہ فطر اور قربانی کو صاحب حیثیت لوگوں کے لئے لازم قرار دیا گیا ہے۔

اسی طرح آپ کو بہت سے مواقع پر شدید دکھ کا سامنا بھی کرنا پڑا ان میں اہل طائف کی سرکشی، غزوہ احد میں ستر صحابہ رضی اللہ عنہم کی شہادت، آپ کی صاحبزادیوں سیدتنا زینب و رقیہ رضی اللہ عنہما اور صاحبزادوں کا انتقال اور دیگر کئی مواقع شامل ہیں۔ سیرت طیبہ کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر موقع پر آپ نے اپنے رب کی طرف رجوع کیا اور صبر کیا۔ یہی وجہ ہے کہ دین میں ایسے تمام مواقع پر چیخ و پکار، نوحہ اور بین کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

محبت و نفرت

محبت و نفرت بھی انسان کی شخصیت کے اہم پہلو ہیں۔ ہم بہت سی چیزوں کو پسند یا ناپسند کرتے ہیں۔ یہی جذبے کچھ شدت اختیار کر کے محبت اور نفرت اور پھر اس سے بھی بڑھ کر عشق اور شدید نفرت کی شکل اختیار کر جاتے ہیں۔ اگر تو یہ جذبے اپنی فطری حدود میں رہیں تب تو ٹھیک ہے لیکن ان میں حدود سے تجاوز انسان کی شخصیت کو بری طرح مسخ کر دیتا ہے۔ آپ نے یقیناً ایسے کئی لوگ دیکھے ہوں گے جو عشق یا نفرت کی شدت کا شکار ہو کر اپنی پوری زندگی تباہ کر بیٹھے یا پھر اس سے ہاتھ ہی دھو بیٹھے۔

ان جذبوں کو اپنی حدود میں رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان کا رخ موڑ کر صحیح سمت میں لگا دیا جائے۔ انسان کی محبت کا محور و مرکز اللہ تعالیٰ کی ہستی ہونا چاہیے جس نے اسے پیدا فرمایا اور اس کی ہر ہر ضرورت کا ایسا خیال رکھتا ہے جو اور کوئی نہیں رکھ سکتا۔ بعض انسان بڑے ناشکرے ہوتے ہیں اور وہ اپنے رب کے ساتھ شریک بنا کر ان سے محبت کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمِنْ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَاداً يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبّاً لِلَّهِ۔ (البقرہ 2:165) "انسانوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو اللہ کے ساتھ کچھ شریک بنا لیتے ہیں اور ان سے ایسے محبت کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ سے کرنا چاہیے، (ان کے برعکس) اہل ایمان اللہ تعالیٰ سے شدید محبت کرتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ سے محبت ہی کی اہم ترین شکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے بندے اور آخری رسول ہیں۔ آپ کی محبت کے بغیر ایمان کامل نہیں ہو سکتا اور یہ اللہ تعالیٰ ہی کی محبت ہے۔ اس محبت کے بارے میں ہمارے ہاں افراط و تفریط کے رویے پائے جاتے ہیں۔۔ بعض لوگ اپنی حماقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اللہ تعالیٰ کی محبت سے الگ سمجھتے ہیں اور پھر رسول کا مقابلہ اللہ تعالیٰ سے کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ ایک طرف تو آپ کو اپنی محبت کے غلو میں خدا کا شریک دیتے ہیں اور دوسری طرف شخصی محبت کا دعویٰ کرنے کے باوجود آپ کی تعلیمات کی پیروی بھی نہیں کرتے حالانکہ محبت بغیر اتباع کے محض دکھاوا اور فریب ہے۔

اسی طرح کچھ دوسرے لوگ آپ کی محبت کو محض اتباع سنت ہی قرار دیتے ہیں اور آپ کے ساتھ محبت کے ذاتی تعلق کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ یہ دونوں راستے غلط ہیں۔ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ محبت و عقیدت ایک عظیم نعمت ہے وہاں اس کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اپنے ہر معاملے میں آپ کی اتباع اور پیروی کی جائے۔ اسی محبت کی ایک اور شاخ آپ کے اہل بیت اور آپ کے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی محبت ہے جس کا کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا لیکن اس معاملے میں بھی

ہر قسم کے غلو سے اجتناب کرنا چاہئے تاکہ یہ عظیم نعمت ہمارے لئے شرک کی مصیبت نہ بن جائے۔

جب انسان اپنی محبت کا رخ اللہ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اور آپ کی آل و اصحاب کی طرف موڑ دے تو پھر اسے دنیاوی محبتوں سے نجات مل جاتی ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ ہمیں اپنے والدین اور بیوی بچوں سے محبت نہیں کرنی چاہئے۔ یہ محبتیں بھی انسان کی فطرت میں داخل ہیں۔ لیکن ان سب محبتوں کو خدا اور سول کی محبت کے تابع ہونا چاہئے۔

یہی حال نفرت کے جذبے کا ہے۔ جب نفرت کے جذبے کو غلط استعمال کیا جائے تو انسان تخریب کار اور دہشت گرد بن جاتا ہے اور اپنے جیسے انسانوں کے خون میں ہاتھ رنگنے لگتا ہے۔ اس کا صحیح استعمال یہ ہے کہ اسے برائیوں کے خلاف نفرت میں تبدیل کر دیا جائے۔ ایک بندہ مومن کے نزدیک کفر اور فسق و فجور کی طرف جانا آگ میں جل جانے سے زیادہ قابل نفرت ہونا چاہئے۔ اسی چیز کا ہمارے دین میں تقاضا کیا گیا ہے۔ اس جذبے کو بھی بعض اوقات غلط رنگ دے دیا جاتا ہے۔ برائی سے نفرت کو انسانوں تک پھیلا دیا جاتا ہے۔ نفرت برائی سے ہونی چاہئے برے انسان سے نہیں۔

ایک مسلمان کو دین اور اخلاقیات کا داعی ہونا چاہئے اور اسے برائیوں میں مبتلا شخص کو اپنا بھائی سمجھ کر اس کی اصلاح کی کوشش کرنا چاہئے نہ کہ اسے برا قرار دے کر دھتکار دے اور وہ اپنی برائیوں میں اور شدت اختیار کر جائے۔ ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ہم سے بھی بہت سے گناہ سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو کیا خوب نصیحت فرمائی کہ اس گناہ گار کو وہ سزا دے جس نے خود کبھی یہ گناہ نہ کیا ہو۔ اس اصول سے استثنا صرف ان لوگوں کا ہے جو بہت ہی زیادہ گھناؤنے قسم کے جرائم میں مبتلا ہوں اور اس سے توبہ بھی نہ کرنا چاہتے ہوں اور انہی میں مبتلا رہنا اپنی زندگی کا مقصد سمجھتے ہوں۔

اپنی زندگی میں ان دوستوں کا انتخاب کیجئے جو محبتیں پھیلانے والے اور نفرت سے دور بھاگنے والے ہوں۔ اگر آپ کے قریب ایسے منفی ذہنیت کے حامل لوگ موجود ہیں جو ہر وقت دوسروں کی نفرت کی آگ میں جلتے رہتے ہیں اور دوسروں تک بھی یہ آگ منتقل کرنا چاہتے ہیں تو ان سے مکمل طور پر اجتناب کیجئے ورنہ آپ کی شخصیت کو بھی یہ لوگ تباہ کرنے میں کسر نہیں چھوڑیں گے۔

اخلاص

اخلاص یا خلوص ہماری شخصیت کا وہ پہلو ہے جس کے ہونے کی وجہ سے کوئی دوسرا ہم پر اعتبار کر سکتا ہے۔ اخلاص کا معنی ہے نیت کا پاکیزہ اور خالص ہونا۔ نیت کا یہ خلوص اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے اور بندوں کے ساتھ بھی۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ نیت کے خلوص کا مطلب یہ ہے کہ انسان جو نیک عمل بھی کرے، صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے کرے، اس میں اس کا کوئی دنیاوی مفاد پیش نظر نہ ہو۔ بندوں کے ساتھ خلوص یہ ہے انسان کی نیت میں کسی قسم کا کوئی کھوٹ نہ ہو اور وہ سب کا خیر خواہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کے لئے جو اعمال کئے جاتے ہیں، ان میں نیت کے خالص ہونے کو اس قدر اہمیت حاصل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے ہر عمل کا دارومدار نیت ہی کو قرار دیا ہے اور یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ کوئی شخص جس مقصد کے لئے کوئی کام کرتا ہے، اسے وہی حاصل ہوتا ہے۔ اگر کوئی مال و دولت یا شہرت و ناموری کے حصول کے لئے جہاد جیسا اعلیٰ عمل بھی کرتا ہے تو اسے وہی ملے گا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا کوئی اجر نہ ہو گا۔ ایک اور حدیث کے مطابق ایسے لوگ جو قرآن مجید کی تلاوت داد وصول کرنے کے لئے کرتے رہے، معاشرے میں اعلیٰ مقام بنانے کے لئے سخاوت کے دریا بہاتے رہے اور شہرت کے لئے جہاد جیسا عمل کرتے رہے، آخرت میں کوئی اجر نہ پا سکیں گے اور جہنم میں پھینک دیے جائیں گے۔ جب ایک عمل اللہ تعالیٰ کے لئے کیا ہی نہیں گیا تو پھر وہ اس کا اجر کیوں دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ریاکاری کو شرک اصغر قرار دیا گیا ہے۔

انسانوں کے ساتھ خلوص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر خواہی سے تعبیر فرمایا ہے۔ مشہور حدیث ہے کہ الدین نصیحۃ یعنی دین خیر خواہی کا نام ہے۔ ایک بندہ مومن کا یہ کام ہے کہ وہ دوسروں کے ساتھ خیر خواہی سے پیش آئے۔ ان کا خیال رکھے اور ان کے حقوق پورے پورے ادا کرے۔ جو ایسا نہیں کرتا، اسے اس دنیا میں بھی ذلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اس خواری کے علاوہ کچھ نہ ملے گا۔ ہم سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ دوسرے اس کے ساتھ مخلص ہوں۔ اسی طرح دوسروں کی بھی یہی خواہش ہوتی ہے کہ ہم اس کے ساتھ مخلص ہوں۔

خوف و خشیت

خوف بھی انسان کا ایک فطری جذبہ ہے۔ ایسی تمام چیزیں جو اسے نقصان پہنچا سکتی ہیں، ان سے انسان خوفزدہ رہتا ہے۔ اسی طرح انسان کوئی بھی ناپسندیدہ صورتحال پیش آنے سے ڈرتا ہے۔ یہی جذبہ اگر نارمل حدود کے اندر رہے تو اسے تمام خطرات سے بچاؤ کی مناسب تدابیر اختیار کر کے ان سے محفوظ رہنے پر مجبور کرتا ہے، لیکن اگر حد سے بڑھ جائے تو پھر ایک نفسیاتی بیماری کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔

دوسرے جذبات کی طرح دین اسلام اس جذبے کا رخ بھی مناسب سمت میں موڑ دیتا ہے۔ دین ہم سے جن صفات کا تقاضا کرتا ہے ان میں سے ایک اللہ کا خوف ہے۔ یہ خوف اس قسم کا نہیں جیسا کہ بعض لوگ جن بھوتوں سے ڈرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ خوف دراصل ایک محبوب ہستی کے ناراض ہو جانے کا خوف ہے۔ دنیا کا کوئی شخص بھی اپنے محبوب کی ناراضگی سے ڈرتا ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت کو ہر محبت پر ترجیح دیتے ہیں، وہ اس کی ناراضگی سے ڈرتے ہیں اور ہر ایسے فعل سے اجتناب کرتے ہیں، جو اس کی ناراضگی کا باعث ہو۔ اللہ تعالیٰ کا خوف دوسری تمام چیزوں کے خوف سے آدمی کو نجات دے دیتا ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ انسان ہر چیز سے بالکل ہی بے خوف ہو جاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا خوف وہ حوصلہ دیتا ہے جس سے انسان ہر خوف اور خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض کو غزوہ خندق کے موقع پر کفار کا لشکر جرار دیکھ کر شدید گھبراہٹ ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ کے خوف اور محبت نے انہیں اس عظیم لشکر کے مقابلے پر لا کھڑا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی آسمانی مدد سے اہل ایمان کو اس مقابلے میں فتح نصیب فرمائی۔

حیرت و تجسس

انسان کی شخصیت کا ایک پہلو حیرت بھی ہے۔ جب وہ کوئی ایسی چیز دیکھتا ہے جس کی وہ توجیہ نہیں کر سکتا تو وہ حیرت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہی حیرت تجسس کو جنم دیتی ہے۔ قدیم زمانے سے مذہبی طبقے نے انسان کے اس جذبے کا استحصال کیا۔ جب وہ کوئی آسمانی آفت سے دوچار ہوتا تو اس کی توجیہ دیوتاؤں کی ناراضگی وغیرہ سے کی جاتی اور طرح طرح کے توہمات سے حیرت کو ختم کیا جاتا۔ ہمارے دین نے ان تمام توہمات کا خاتمہ کر کے کائنات کی زبردست عقلی توجیہ کو ممکن بنا دیا ہے۔ جیسے جیسے جدید سائنس کی بدولت انسان کا علم ترقی کرتا جا رہا ہے وہ کائنات کی اسی توجیہ کو ماننے پر مجبور ہوتا جا رہا ہے کہ اس کائنات کا کوئی خدا ہے۔

تجسس کے جذبے کو اگر مثبت طریقے سے استعمال کیا جائے تو یہ انسان کے علم میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔ سائنس کی یہ ساری ترقی اسی جذبہ تجسس کی بدولت ہے۔ اس کے برعکس اگر اسے ان معلومات کے حصول کے لئے استعمال کیا جائے جن کا کوئی مقصد نہیں ہے تو یہ ایک آفت بن جاتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں ایک دوسرے کی ٹوہ میں رہنے اور ذاتی حالات اور ذاتی خامیاں جاننے کا تجسس بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے تجسس سے منع فرمایا ہے اور ایک دوسرے کی ذات کو کریدنے سے روکا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيراً مِنْ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلا تَجَسَّسُوا وَلا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضاً۔ (الحجرات 49:12) "اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو۔ بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ (ایک دوسرے کی ذاتی زندگی کے بارے میں) تجسس نہ کرو اور نہ ہی ہے ایک دوسرے کی غیبت کرو۔"

ایک حدیث کے مطابق ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں جھانکا تو آپ نے اس پر شدید ناراضی کا اظہار فرمایا۔ یہ بھی انتہائی حیرت کی بات ہے کہ اہل مغرب جو آسمانی ہدایت سے دور ہیں، ان اخلاقیات کو اپنائے ہوئے ہیں اور ہم اس ہدایت کے علمبردار ہونے کے باوجود اخلاق کے اس معیار سے ابھی کوسوں دور ہیں۔ اپنے ان جذبوں کو کنٹرول کر کے ہم اپنی شخصیت کو اعلیٰ اخلاق کا نمونہ بنا سکتے ہیں۔

ترجیحات (Priorities)

ترجیحات بھی انسان کی شخصیت کا ایک اہم پہلو ہیں جو وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔ ہر انسان اپنے حالات کے مطابق بعض چیزوں کو دوسری چیزوں پر ترجیح دیتا ہے۔ انتخاب کا یہ اصول پوری زندگی میں ہی کارفرما رہتا ہے۔ دنیاوی زندگی کے بارے میں دین کا تقاضا یہ ہے کہ ہر معاملے میں اخلاقی پہلو کو ترجیح دی جائے اور اگر کسی چیز میں اخلاقی اعتبار سے کوئی قباحت نہیں ہے تو اس میں انسان آزاد ہے کہ وہ جسے چاہے ترجیح دے۔

دنیا کے مقابلے میں آخرت (جو کہ اصل زندگی ہے) کو ترجیح دینا دین اور عقل دونوں کے لحاظ سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اگر کوئی شخص دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے تو یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی ایک روپے کو حاصل کرنے کے لئے کروڑوں روپے کا نقصان

کر لے۔ ہمیں ترجیح کے اس اصول کو اپنی شخصیت کا حصہ بنانا چاہیے کہ جو چیز ہمارے لئے دنیا اور آخرت میں زیادہ فائدہ مند ہے اسے اختیار کر لیں اور اگر ایسی صورتحال سامنے آ جائے جس میں اگر ہم آخرت بنانے کی کوشش کریں تو دنیا میں حالات خراب ہوتے ہوں اور دنیا بنانے کی کوشش کریں تو آخرت تباہ ہوتی ہو تو پھر ہر حال میں آخرت ہی کو ترجیح دیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی کو مال حرام کمانے کا بہترین موقع میسر ہو۔ اس صورت میں اس کے سامنے دنیا کمانے کا تو بہترین موقع ہے لیکن اس سے آخرت تباہ ہو جائے گی۔ ایسے حالات میں عقل مندی کا تقاضا یہی ہے کہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دی جائے کیونکہ دنیا کی زندگی چند سال کی ہے اور آخرت کی لامحدود۔

جاری ہے

مسعود الدین مصعب

مومنوں کا اخلاق

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب قرآن مجید کی سورۃ القصص میں فرماتا ہے:

وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ﴿٥٥﴾

سورۃ القصص

اور جب (مومن) کوئی بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اسے نظر انداز کر جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں، اور تمہارے لیے تمہارے اعمال۔ ہم تمہیں سلام کرتے ہیں، ہم نادان لوگوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔

وضاحت: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص مومن کے سامنے غلط باتیں کرے، بدتمیزی سے پیش آئے، طعنے دے یا گالیاں نکالے تو مومن کو چاہیے کہ اپنا اخلاق اور اپنی زبان گندی کرنے کی بجائے ایسے لوگوں کو سلام کہہ کر بھلے طریقے سے الگ ہو جائے اور ان کو بتا دے کہ اللہ تمہیں تمہارے عملوں کا بدلہ دے گا اور ہمیں ہمارے عملوں کا بدلہ دے گا۔

سورۃ لقمان میں اللہ نے چیخ و پکار سے منع فرمایا ہے

وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۱۹ القمان

اور اپنی چال میں اعتدال اختیار کرو اور اپنی آواز آہستہ رکھو بیشک سب سے بری آواز گدھوں کی آواز ہے۔

وضاحت: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اپنی چال میں سکون اور وقار اختیار کرنے کا حکم دیا ہے یعنی کہ تکبر اور بڑائی نہ اختیار کی جائے بلکہ باعزت طریقے کو اختیار کیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ بلند آواز اور چیخ کر بولنے سے بھی منع کر دیا گیا اور بتا دیا گیا کہ اونچی آواز میں بولنا گدھے کا کام ہے کیونکہ گدھا آہستہ بول ہی نہیں سکتا جبکہ اللہ رب العزت نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے، اور اس کو حسنِ بیان اور حسنِ کلام کی صلاحیت سے نوازا ہے تو یہ اپنی اس عزت و مقام کو چھوڑ کر گدھوں کی صف میں شامل ہونے کی کوشش کیوں کرتا ہے؟

سورۃ الحجرات میں اللہ نے دوسروں کا مذاق اڑانے اور برے نام رکھنے سے منع فرمایا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاۗءٌ مِّنْ نِّسَاۗءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۱۱ الحجرات

اے لوگو جو ایمان لائے ہو ! کوئی قوم کسی قوم سے مذاق نہ کرے، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ کوئی عورتیں دوسری عورتوں سے، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ اپنے لوگوں پر عیب لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کو برے ناموں کے ساتھ پکارو، ایمان کے بعد فاسق ہونا برا نام ہے اور جس نے توبہ نہ کی سو وہی اصل ظالم ہیں۔

وضاحت: اس آیت میں دوسروں کو کم تر سمجھنے، ان کا مذاق اڑانے، کسی کی ہنسی اڑانے، الٹے نام رکھنے اور ان پر لطیفے بنانے سے منع کیا گیا ہے اور بتادیا گیا ہے یہ کام گناہ ہیں۔ جس نے یہ کام کئے ہوں اسے چاہئے کہ وہ توبہ کرے ورنہ ان کا شمار ظالموں میں ہوگا۔

نبی ﷺ نے بدترین انسان کس کو کہا ہے؟

حَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ بَلَغَهُ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ اسْتَأْذَنَ رَجُلٌ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ عَائِشَةُ وَأَنَا مَعَهُ فِي الْبَيْتِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِءْسَ ابْنُ الْعَشِيْرَةِ ثُمَّ أَذِنَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ عَائِشَةُ فَلَمْ أَنْشَبْ أَنْ سَمِعْتُ ضَحِكَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَهُ فَلَمَّا خَرَجَ الرَّجُلُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قُلْتَ فِيهِ مَا قُلْتَ ثُمَّ لَمْ تَنْشَبْ أَنْ ضَحِكْتَ مَعَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنِ اتَّقَاهُ النَّاسُ لِشَرِّهِ .

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آنے کی اجازت مانگی۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں گھر میں آپ کے ساتھ تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ قبیلے کا برا آدمی ہے۔ پھر اس کو اجازت دے دی۔ زیادہ دیر نہ گزری کہ میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ ہنس رہے ہیں۔ جب وہ شخص نکل گیا تو میں نے کہا یا رسول اللہ ! آپ نے اس کے بارے میں جو بات کہی (کہ یہ اپنے قبیلے کا برا آدمی ہے) وہ تو کہی اور پھر میں نے آپ کو دیکھا کہ زیادہ دیر نہیں گزری کہ آپ اس کے ساتھ ہنس کر باتیں کر رہے ہیں، (یہ کیا؟)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدترین آدمی وہ ہے کہ جس کے شر کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا جلنا ترک کر دیں۔

وضاحت: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص برا ہو اور لوگوں کو نقصان پہنچاتا ہو تو اس کے شر کے سے بچانے کے لئے اپنے لوگوں کو اس کے بارے میں آگاہ کیا جا سکتا ہے لیکن اپنا اخلاق اور کردار برے لوگوں کے ساتھ بھی ہمیشہ اچھا رکھنا چاہئے۔

نبی ﷺ نے مومنوں کو گالی دینے سے منع فرمایا ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَكْبَرِ الْكَبَائِرِ أَنْ يَلْعَنَ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ قِيلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ يَلْعَنُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ قَالَ يَسُبُّ الرَّجُلُ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أَبَاهُ وَيَسُبُّ أُمَّهُ

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے والدین پر لعنت کرے، کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! آدمی اپنے ماں باپ پر کس طرح لعنت کر سکتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی دوسرے کے باپ کو گالی دے تو وہ اس کے ماں اور باپ کو گالی دے گا۔ صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 933

وضاحت: اگر کوئی دوسروں کے ماں باپ کو گالیاں دیتا ہے تو اصل میں وہ اپنے ہی ماں باپ کو گالیاں دلوا رہا ہوتا ہے جو کہ لعنت کا کام ہے۔ اس لئے مومنوں کو اس عمل سے بچنا چاہئے۔

سب سے بڑے گناہ کون سے ہیں؟

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ قُلْنَا بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الْإِشْرَاكُ بِاللَّهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَكَانَ مُتَّكِئًا فَجَلَسَ فَقَالَ أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ فَمَا زَالَ يَقُولُهَا حَتَّى قُلْتُ لَا يَسْكُتُ

ابو بکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں؟ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ شریک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا، اس وقت آپ تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے، پھر (سیدھے ہو) بیٹھ گئے اور فرمایا سن لو جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا، سن لو! جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا، آپ اسی طرح (بار بار) فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے کہا کہ آپ خاموش نہ ہوں گے۔ صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 936

وضاحت: اس حدیث سے پتہ چلا کہ صرف شرک ہی نہیں بلکہ والدین کو ستانا، جھوٹ بولنا اور جھوٹ بولنا بھی بہت بڑے بڑے گناہ ہیں۔

پڑوسیوں کے حقوق

عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَاللَّهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللَّهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللَّهِ لَا يُؤْمِنُ قِيلَ وَمَنْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الَّذِي لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَايِقَهُ

ابو شریح کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ واللہ وہ آدمی مومن نہیں ہے، واللہ وہ آدمی مومن نہیں ہے، واللہ وہ آدمی مومن نہیں ہے، پوچھا گیا کون یا رسول اللہ! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس کا پڑوسی اس کی تکلیفوں سے بے خوف نہ ہو۔ صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 975

وضاحت: اللہ کے نبی ﷺ نے پڑوسیوں کو تکلیف دینے سے منع فرمایا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں یوں فرمایا گیا ہے

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے اور جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس چاہیے کہ مہمان کی ضیافت کرے اور جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔ صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 977

وضاحت: اس حدیث میں نبی ﷺ نے ہمسایوں کو تکلیف سے بچانا، مہمان کی ضیافت کرنا اور اچھی بات کرنے یعنی اچھا اخلاق پیدا کرنے کو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لانے کے تقاضے کے طور پر بیان فرمایا ہے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان سب نیک کاموں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

مفتی محمد شکیل عاصم

نفل نمازوں سے متعلق عمومی احکام

اس آرٹیکل میں ہم ان شاء اللہ نفل نمازوں کا مطالعہ کریں گے جن میں سنن موکدہ، تہجد، تراویح، وتر، اشراق، استسقاء اور سورج و چاند گرہن کی نمازیں شامل ہیں۔ نفل کا لغوی معنی زائد کا ہے۔ عربی زبان میں اس کے لیے "تطوّع" کا لفظ بھی بولا جاتا ہے۔ نفل نماز سے مراد وہ نماز ہے جو انسان سے لازمی طور پر مطلوب نہیں ہوتی۔ شریعت کی نظر میں اسے بجالانے والا قابلِ تعریف تو ہو گا مگر اس کو چھوڑنے والے کو برا بھلا نہیں کہا جائے گا۔

اسی لیے احادیث مبارکہ میں نفل نماز کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اس پر ابھارا گیا ہے، اور بس۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سی نماز افضل ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رات کی نماز۔"[1] ایک حدیث مبارکہ میں اس شخص کے حوالے سے مروی ہے کہ جس کی نماز میں کمی ہو گی اس کے بارے میں اللہ تعالی فرمائے گا: "دیکھو کیا میرے بندے کے کچھ نوافل ہیں؟ اگر ہوئے تو ان کے ذریعے فرائض کی کمی پوری کی جائے گی۔"[2]

نفل نماز کس طرح ادا کی جائے گی؟

نفل نماز ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے دو دو رکعات کی شکل ادا کیا جائے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "دن اور رات کی (نفل) نماز دو دو رکعات کی شکل میں پڑھنی چاہیے۔"[3]

نفل نماز کو شریعت کا حصہ کیوں بنایا گیا؟

شریعت اسلامیہ میں نوافل کو لازمی قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ انسان کی صوابدید پر چھوڑ دیا اور اسے اس کی ترغیب دے دی، کہ جو مزید رفعت و بلندی کا طلب گار ہے اس کے لیے بھی رستہ کھلا ہے۔ اور ہر ہر شخص کو پابند نہیں کیا۔ دین میں انسان پر پابندی اور اس کی شخصی آزادی کا ایسا حسین امتزاج موجود ہے جس کی مثال خدائی شریعت ہی میں مل سکتی ہے۔ مصری عالم محمد قطب، جنہوں نے جدید نفسیات بالخصوص سگمنڈ فرائڈ کے نظریات کا گہرا مطالعہ کیا ہے، اپنی کتاب "الانسان بين المادية والاسلام" کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں: "دوران مطالعہ مجھ پر انکشاف ہوا کہ ایک طرف تو فرائڈ ہے جو نفس کو ہر بندش سے آزاد کر دیتا ہے۔ اور اس کی پوشیدہ جبلتوں (instincts) سے اخفا (suppresstion) ختم کر دیتا ہے اور دوسری طرف وہ ترک دنیا کا راہبانہ طرز عمل ہے جو انسان کی حیوانی قوتوں پر پہرے لگا کر انہیں کچل کر رکھ دیتا ہے۔ اور ان دونوں روشوں کے

1. سنن ابی داؤد، کتاب الصیام، باب فی صوم المحرم، حدیث نمبر 2429
2. سنن نسائی، کتاب الصلاۃ، باب المحاسبۃ علی الصلوۃ، حدیث نمبر 466
3. سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ النہار، حدیث نمبر 1295

درمیان اسلام کا معتدل اور درمیانہ راستہ ہے کہ اسلام نہ تو اس قدر بندشیں عائد کرتا ہے کہ نفس گھٹ کر رہ جائے اور زندگی کا جوش وولولہ ہی سرد پڑ جائے، اور نہ انسان کو اس قدر آزاد چھوڑتا ہے کہ انسان اپنے مقام سے گر کر حیوان بن جائے، اور انسان نے انتہائی محنتوں اور کاوشوں کے بعد جن جذبات کو لگام دی ہے وہ پھر سے آزاد ہو جائیں اور سارا سرمایہ انسانیت ہی ملیامیٹ ہو جائے۔ اسلام ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ایک ایسا متوسط اور معتدل موقف اختیار کرتا ہے جس کی وسیع حدود مین انسان ایک متوازن اور پر سکون زندگی گزار سکتا ہے۔"[14]

اب ہم نفل نمازوں کی تفصیل الگ الگ نمازوں کے عنوانات کے تحت پڑھتے ہیں۔

سنن مؤکدہ

سنن مؤکدہ سے مراد فرائض سے پہلے اور بعد والی وہ رکعات ہیں جن کی احادیث مبارکہ میں تاکید آئی ہے۔ ان کو چھوڑنے پر کوئی گناہ نہیں ہوتا مگر چونکہ ان کی بہت تاکید وارد ہوئی ہے اس لیے ان کو ادا کرنا بہت پسندیدہ ہے۔ ان کی تفصیل ذیل میں ہے:

1۔ فجر سے پہلے کی دو رکعات

2۔ ظہر سے پہلے کی چار اور بعد کی دو رکعات

3۔ مغرب کے بعد کی دو رکعت

4۔ عشاء کے بعد کی دو رکعت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر سے قبل کی دو رکعات کا بہت زیادہ اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ حتی کہ ان رکعات کو سفر میں بھی نہ چھوڑتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی شان ہے کہ: "نماز فجر کی دو سنتیں دنیا ومافیہا سے بہتر ہیں۔"[15]

اگر فجر کی سنتیں رہ جائیں تو فقہاء کے ایک گروہ کے نقطہ نظر کے مطابق ان کو فرائض کے بعد بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت قیس رضی اللہ عنہ کو فجر کی نماز کے بعد دو سنتیں پڑھتے ہوئے دیکھا اور پھر اسے اس سے دریافت کیا اور اس پر خاموشی اختیار کی۔[16] حدیث کو اصطلاح میں "تقریری حدیث" کہتے ہیں یعنی جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے برقرار رکھا ہو۔ اور اسی طرح ان دو رکعات کو سورج طلوع ہونے کے بعد بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ابو ھریرہ رضی

---

4. الانسان بین المادیۃ والاسلام، صفحہ نمبر 19، مترجم سجاد احمد کاندھلوی، پین اسلامک پبلشرز

5. صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب استحباب رکعتی سنۃ الفجر والحث علیہما، حدیث نمبر 725

6. جامع الترمذی، کتاب الصلوۃ، باب ماجاء فیمن یفوتہ الرکعتان قبل الفجر۔۔۔، حدیث نمبر 346

اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے فجر کی دو سنتیں نہ پڑھیں وہ سورج طلوع ہونے کے بعد یہ دو رکعتیں پڑھ لے۔"[17]

فجر کی سنتوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یہ تھا کہ آپ انہیں اختصار کے ساتھ پڑھتے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں کہتی کہ: "پتہ نہیں آپ نے سورۃ فاتحہ بھی پڑھی ہے یا نہیں؟"[18] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی سنتوں میں پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون جبکہ دوسری رکعت میں سورۃ الاخلاص پڑھا کرتے تھے۔[19] اور اگر ان کے بعد جماعت میں کافی وقت وقت ہو تو دائیں کروٹ پر لیٹ جایا کرتے تھے۔[20]

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص نے ظہر سے قبل چار اور بعد میں دو رکعات پڑھیں، اللہ تعالی اسے آگ پر حرام کر دیں گے۔"[21]

اسی طرح حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مسجد میں نماز مغرب پڑھائی اور پھر فرمایا: "ان دو رکعتوں کو اپنے گھروں میں ادا کیا کرو۔"[22]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: "مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس رکعتیں یاد ہیں: دو ظہر سے پہلے اور دو اس کے بعد، اور مغرب کے دو رکعتیں اپنے گھر میں، عشا کے بعد دو اور دو رکعتیں فجر سے قبل۔"[23]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: "جس شخص نے دن اور رات میں (فرائض کے علاوہ) بارہ رکعات ادا کیں تو اس کے لیے جنت میں مکان بنایا جائے گا۔ (ان سنتوں کی تفصیل یہ ہے:) چار رکعت ظہر سے پہلے اور دو رکعت ظہر کے بعد، دو رکعت مغرب کے بعد، دو رکعت عشاء کے بعد اور دو رکعت نمازِ فجر سے پہلے۔"[24]

---

7. جامع الترمذی، کتاب الصلوۃ، باب ما جاء فی اعادتھما بعد طلوع الشمس، حدیث نمبر 347
8. صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب استحباب رکعتی الفجر۔۔۔، حدیث نمبر 725
9. صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب استحباب رکعتی الفجر۔۔۔، حدیث نمبر 726
10. صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ، باب الضجعۃ علی الشق الایمن بعد رکعتی سنۃ الفجر و الحث علیھما۔۔۔، حدیث نمبر 1160
11. سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب الاربع قبل الظھر و بعدھا، حدیث نمبر 1130
12. سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوۃ و السنۃ فیھا، باب ما جاء فی رکعتین بعد المغرب، حدیث نمبر 956
13. صحیح بخاری، ابواب التطوع، حدیث نمبر 1126
14. جامع الترمذی، کتاب الصلوۃ، باب ما جاء فیمن صلی فی یوم و لیلۃ۔۔۔، حدیث نمبر 415

سنن غیر موکدہ

یہ وہ سنن ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پڑھا ہے اور کبھی نہیں۔ ان کی بھی بہت فضیلت ہے۔ ان میں عصر سے قبل کی چار رکعات اور غروب آفتاب کے بعد اور مغرب کی نماز سے پہلے کے وقفے میں پڑھی جانے والی دو رکعات شامل ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالی اس شخص پر رحم فرمائیں، جس نے عصر سے پہلے چار رکعات پڑھیں۔"[25]

عبد اللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری باریوں فرمایا کہ جو چاہے وہ پڑھے۔ اور یہ اس ڈر سے فرمایا کہ کہیں لوگ (لازمی) طریقہ ہی نہ بنالیں۔"[26]

نمازِ تہجد

رات کی نفل نماز میں تہجد اور تراویح شامل ہیں۔ عرفِ عام میں تراویح، رمضان المبارک میں پڑھی جانے والی نماز کو کہا جاتا ہے جبکہ تہجد رات کے آخری حصے میں پڑھی جانے والی نماز کو تہجد کہا جاتا ہے۔ کچھ لوگ اسے الگ الگ نماز سمجھتے ہیں کہ جبکہ اصلاً یہ رات کی ہی نماز ہے، جسے قیام اللیل کہا جاتا ہے۔ کیونکہ تراویح اور تہجد کا وقت ایک ہی ہے، یعنی عشا کے بعد سے لے کر فجر تک ہے۔ بس ان میں یہ فرق کیا جاسکتا ہے کہ رات کے آخری حصے میں رب تعالی آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں۔ اس لیے یہ وقت افضل قرار پائے گا۔[27] ارشاد ربانی ہے:

إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا وَأَقْوَمُ قِيلًا.

"بلاشبہ رات کو اٹھنا دل جمعی کے لیے انتہائی مناسب ہے اور بات کو درست کر دینے والا ہے۔" (المزمل 73:6)

اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: "کیا میں آپ لوگوں کی رہنمائی خیر کے دروازوں کی طرف نہ کروں؟ روزہ (گناہوں کے سامنے) ڈھال (کی حیثیت رکھتا) ہے۔ اسی طرح صدقہ، یہ گناہوں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھاتا ہے اور اسی طرح رات کو نماز پڑھنا۔"[28] اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تراویح کے حوالے سے

---

15. سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب الصلوۃ قبل العصر، حدیث نمبر 1132
16. صحیح بخاری، کتاب التہجد، باب الصلوۃ قبل المغرب، حدیث نمبر 1183
17. صحیح بخاری، کتاب التہجد، باب الدعاء والصلاۃ من آخر اللیل، حدیث نمبر 1145
18. جامع الترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء فی حرمۃ الصلاۃ، حدیث نمبر 2616

فرمان عالی شان ہے کہ: ”جس نے رمضان المبارک میں ایمان اور ثواب کی نیت سے قیام کیا(یعنی تراویح کی نماز پڑھی) تو اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔“[29]

ایک رائے کے مطابق تہجد کی رکعتیں متعین نہیں کی گئی ہیں کیونکہ یہ نفل نماز ہے، اور نوافل کی تعداد میں تعین نہیں ہے۔ اس لیے کم از کم دو رکعت سے لے کر جتنی رکعتیں چاہیں، پڑھی جاسکتی ہیں۔ جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول گیارہ رکعات پڑھنے کا تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یہ تھا کہ آپ وتر سمیت تہجد کی سات، نو یا گیارہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔[30]

رات کا قیام کہاں کیا جائے؟

رات کے قیام کے لیے افضل جگہ گھر ہے کیوں کہ یہ نفل نماز ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی شان کے مطابق نوافل گھر میں پڑھنا بہتر ہیں: ”فرائض کے علاوہ (نفل) نماز گھر میں پڑھنا بہتر ہے۔“[31] لیکن یہ اس شخص کے لیے ہے، جو جماعت کے ساتھ نہیں بلکہ انفرادی طور پر نماز پڑھنا چاہتا ہے۔ ہاں اگر رمضان میں مسجد میں تراویح کے لیے باقاعدہ اہتمام کیا جارہا ہے تو پھر مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جاسکتی ہے کہ ایک تو وہاں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جائے گی، دوسرے قرآن مجید زیادہ سے زیادہ سننے کا موقع ملے گا۔

رات کی نماز کو شریعت کا حصہ کیوں بنایا گیا ہے؟

رات کی نماز سے سوچ کو ارتکاز حاصل ہوتا ہے، اور وہ منتشر ہونے سے بچ جاتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی کی ذات سے تعلق اور اسے ہی قادر مطلق سمجھنا انسانی سوچ پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ اس وقت کی خاموشی میں انسان اپنے رب کے ساتھ ون ٹو ون تعلق قائم کر سکتا ہے۔ رات کو نیند سے بیدار ہو کر رب کریم کی ذات کو سوچ کا محور بنا لینا تو اس کے ساتھ مزید تعلق کا اظہار ہے۔ رات کا یہ عمل دن میں بھی اپنے اثرات رکھتا ہے۔ کیونکہ اس سے دل کی نرمی اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ جس کے اثرات دن میں دوسروں کے معاملات کرتے ہوئے ظاہر ہونا لازم ہے۔

نمازِ وتر

لفظ وتر عربی زبان میں طاق عدد کے لیے بولا جاتا ہے۔ اصطلاح میں ”نمازِ عشاء کے بعد سے فجر سے پہلے تک طاق تعداد ایک، تین، پانچ، سات اور نو رکعات نماز کو وتر کہتے ہیں۔“ یہ بھی قیام اللیل کی ہی ایک شکل ہے۔ اس نماز کی بہت زیادہ اہمیت وارد

---

19. صحیح بخاری، کتاب صلوۃ التراویح، باب فضل من قام رمضان، حدیث نمبر 2009
20. صحیح بخاری، ابواب التہجد، باب کیف کان صلاۃ النبی و کم کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی الیل، حدیث نمبر 1088
21. صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب صلوۃ اللیل، حدیث نمبر 731

ہوئی ہے۔ حتی کہ کچھ علماء اسے واجب بھی قرار دیتے ہیں جبکہ اکثر علماء کے نزدیک یہ سنت موکدہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "وتر ادا کرنا ہر مسلمان کے ذمے حق ہے۔"[32]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتر کا اتنا اہتمام فرماتے کہ اسے دوران سفر بھی نہ چھوڑتے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں نفل نماز سواری پر ہی پڑھتے تھے، اسی طرف کو جدھر اس کا رخ ہوتا، رکوع و سجود اشارہ سے کرتے، لیکن فرض نماز سواری پر نہیں پڑھتے تھے، اور وتر سواری پر پڑھتے تھے۔"[33]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ: "وتر فرائض کی طرح لازم نہیں ہے، بلکہ سنت ہے، جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا۔"[34] بعض فقہا انہیں واجب سمجھتے ہیں۔

وتر کس وقت ادا کیا جائے گا؟

جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ وتر رات کی ہی نماز ہے، اس لیے اسے عشاء کے بعد فجر تک ادا کیا جاسکتا ہے۔ البتہ رات کی نماز کا افضل وقت رات کا آخری حصہ ہے۔ امت کی آسانی کے لیے یہ رخصت دی گئی ہے کہ اگر نمازی کو لگے کہ شاید رات اٹھا نہ جاسکے تو وہ عشا کے بعد ہی وتر پڑھ سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جسے رات کے آخری حصہ میں بیدار ہونے کی امید نہ ہو، وہ پہلے حصہ میں وتر پڑھ کر سو جائے اور جسے طمع ہو کہ وہ رات کے آخری حصے میں قیام کرے تو وہ رات آخری حصہ میں وتر پڑھے، کیونکہ رات آخری حصے کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔"[35]

اور اسی طرح اگر قیام اللیل کا ارادہ ہو تو وتر سب سے آخر میں ادا کرنے چاہییں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آپ کی سب سے آخری نماز وتر ہونے چاہییں۔"[36] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کو تہجد ہی کی نماز کے ساتھ ادا فرمایا کرتے تھے۔

وتر میں دعائے قنوت کب پڑھنی چاہیے؟

دعاءِ قنوت سے مراد نماز کے دوران دعا مانگی جائے۔ اگر تو عام نماز میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی جائے تو اسے قنوتِ نازلہ کہا جاتا ہے اور اگر وتر میں مخصوص دعا مانگی جائے تو اسے قنوت وتر کہا جاتا ہے۔ قنوتِ وتر رکوع سے قبل کی جاتی ہے۔ کیونکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: "بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز وتر میں قنوت رکوع سے پہلے کیا کرتے تھے۔"

---

22. سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، باب کم الوتر؟، حدیث نمبر 1422
23. صحیح بخاری، کتاب الوتر، باب الوتر فی السفر، حدیث نمبر 1000
24. سنن نسائی، کتاب قیام اللیل، باب الامر بالوتر، حدیث نمبر 1677
25. صحیح مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، باب من خاف ان لا یقوم۔۔۔، حدیث نمبر 755
26. صحیح بخاری، کتاب الوتر، باب لیجعل آخر صلاتہ وترا، حدیث نمبر 998

[37]البتہ خلفاءِ اربعہ سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ رکوع کے بعد بھی قنوتِ وتر کیا کرتے تھے۔[38]لہذا علما بعد از رکوع قنوت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ قنوتِ وتر کی کوئی دعا مقرر نہیں ہے البتہ بعض احادیث میں یہ دعائیں وارد ہوئی ہیں:

اَللّٰهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ وَ تَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ وَقِنِي شَرَّ مَا قَضَيْتَ فَإِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ وَإِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ.

”اے اللہ مجھے ہدایت دے کر ان لوگوں میں شامل فرما جو جنہیں تو نے ہدایت دی، اور مجھے عافیت سے نواز کر ان لوگوں میں شامل فرما جن کو تو نے عافیت دی، اور مجھے جو کچھ بھی عطا کیا ہے اس میں برکت عطا فرما، اور مجھے اس فیصلے کے شر سے محفوظ فرما جس کا تو نے فیصلہ کیا، بلاشبہ تو ہی فیصلہ کرتا ہے جبکہ تیرے خلاف فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور جس کا تو والی ہو جائے وہ رسوا نہیں ہوتا اور اسی طرح جس کا تو دشمن بن جائے وہ عزت نہیں پا سکتا۔ اے ہمارے رب تو بابرکت اور بلند و بالا ہے۔“[39]

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ وَ نَسْتَغْفِرُكَ وَ نُؤمِنُ بِكَ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيكَ وَ نُثْنِيْ عَلَيْكَ الْخَيْرَ وَ نَشْكُرُكَ وَلَا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ اَللّٰهُمَّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّيْ وَ نَسْجُدُ وَ اِلَيْكَ نَسْعٰى وَ نَحْفِدُ وَ نَرْجُوْ رَحْمَتَكَ وَ نَخْشٰى عَذَابَكَ اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحَقٌ

”الٰہی ہم تجھ سے مدد طلب کرتے ہیں اور مغفرت چاہتے ہیں۔ اور تجھ پر ایمان لاتے ہیں اور تجھ پر توکل کرتے ہیں اور تیری بہترین ثناء بیان کرتے ہیں اور ہم تیر شکر کرتے ہیں، ناشکری نہیں کرتے اور ہم جدا کرتے اور اس شخص کو چھوڑتے ہیں جو تیری نافرمانی کرے اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تیرے ہی لیے نماز پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے اور تیری طرف دوڑتے ہیں۔ ہم تیری رحمت کے امیدوار ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بے شک تیرا عذاب کافروں کو پہنچنے والا ہے۔“[40]

اگر کوئی شخص رات کو وتر ادا نہ کر سکے تو۔۔۔؟

اگر کوئی شخص رات کو وتر ادا نہ کر سکے تو وہ اس کی قضا دے سکتا ہے۔ وتر کی قضا کے دو طریقے ہیں: ایک یہ کہ جب یاد آئے اسی وقت پڑھ لیا جائے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: ”جو شخص وتر نہ پڑھ سکے اور سو جائے، یا وہ پڑھنا بھول جائے تو اسے چاہیے کہ جب یاد آئے اسی وقت ادا کر لے۔“[41]

27. سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوات، باب ماجاء فی القنوت قبل الرکوع وبعدہ، حدیث نمبر 1182
28. نیل الاوطار 285/2
29. سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، باب القنوت فی الوتر، حدیث نمبر 1425
30. المصنف لابن ابی شیبہ، کتاب الدعاء، باب مایدعو الرجل فی قنوت الوتر، رقم الحدیث تحت الباب 3، باختلاف الالفاظ
31. سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، باب فی الدعاء بعد الوتر، حدیث نمبر 1431

اور اسی طرح دوسرا طریقہ یہ کہ طلوع آفتاب کے بعد ادا کیے جائیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: "جس شخص کا رات کا تمام ورد یا ان کا کچھ حصہ سو جانے کی وجہ سے رہ جائے تو اگر تو وہ نماز فجر اور نماز ظہر کے درمیان پڑھ لے تو اس کے لیے ایسے ہی شمار ہو گا جیسے اس نے وہ عمل رات کو ہی کیا۔"[42]

نمازِ اشراق

لفظ اِشراق کا لغوی معنی چمک کا ہے۔ اس نماز کو نماز اشراق اس لیے کہا جاتا ہے کیوں کہ یہ اس وقت پڑھی جاتی ہے جب سورج میں چمک در آتی ہے۔ اس نماز کے مختلف نام ہے، اِشراق، ضُحیٰ، اوّابین۔ کتاب و سنت میں اس نماز کی بھی بہت اہمیت بیان ہوئی ہے۔ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "جب کوئی شخص صبح کرتا ہے تو اس کے ہر ہر جوڑ پر صدقہ لازم ہوتا ہے۔ ہاں یہ کہ "سبحان اللہ" کہنا، "الحمد للہ" کہنا، "لا الہ الا اللہ" کہنا اور اسی طرح "اللہ اکبر" کہنا صدقہ ہے۔ اور نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا صدقہ ہے۔ اور ان سب کی طرف سے نماز اشراق کی دو رکعات پڑھنا کافی ہیں۔"[43]

اور اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: "مجھے میرے دوست (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے تین کاموں کی وصیت فرمائی، جنہیں میں مرتے دم تک نہیں چھوڑوں گا، وہ یہ کہ ہر ماہ تین روزے رکھوں، نماز اشراق کا اہتمام کروں اور سونے سے پہلے وتر پڑھوں۔"[44]

نمازِ اشراق کا وقت مکمل آفتاب طلوع سے لے کر زوال تک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نماز اشراق کا وقت تب ہے جب اونٹوں کے بچوں کے پاؤں جلنے لگیں۔"[45] نماز اشراق کی رکعات کم از کم دو ہیں، اور زیادہ سے زیادہ ثابت شدہ آٹھ رکعات ہیں۔ مگر چونکہ یہ نفل ہے اس لیے اس کی تعداد میں کوئی پابندی نہیں۔[46]

نمازِ استسقاء

استسقاء کا لغوی مطلب طلب اور مانگنا ہے۔ جبکہ اصطلاح میں اس سے مراد "قحط سالی کے وقت اللہ تعالی سے مخصوص طریقے کے ساتھ بارانِ رحمت طلب کرنا ہے۔"[47] استسقاء سابقہ انبیاء بھی کیا کرتے تھے۔ قرآن مجید میں حضرت موسی علیہ الصلوۃ السلام کا واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ فرمایا:

---

32. صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب جامع صلاۃ اللیل و من نام عنہ أو مرض، حدیث نمبر 747
33. صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ المسافرین، باب استحباب صلاۃ الضحی، حدیث نمبر 720
34. صحیح بخاری، کتاب التہجد، باب صلاۃ الضحی فی الحضر، حدیث نمبر 1178
35. صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب صلاۃ الاوبین حین ترمض الفصال، حدیث نمبر 748
36. صحیح مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، باب استحباب صلوۃ الضحی۔۔۔، حدیث نمبر 719، 336، 719، 721
37. فتح الباری 179/2، نیل الاوطار 645/2

وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ. "یاد کرو، جب موسیٰؑ نے اپنی قوم کے لیے پانی کی دعا کی۔"(البقرۃ2:60)

خشک سالی اور قحط وغیرہ رب تعالی کی ناراضگی کی وجہ سے یا اس کی طرف سے آزمائش کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ جب بندے بے بس ہو جاتے ہیں تو چارہ کار نہیں ہوتا کہ کسی فریاد رس سے فریاد کریں۔ سو وہ عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے نکلتے ہیں۔ اور اجتماعی صورت میں نکلتے ہیں۔ تو اللہ تعالی بھی ان پر رحم فرماتے ہیں۔

نماز استسقاء کھلے میدان میں ادا کرنا سنت طریقہ ہے کیونکہ اس طرح بندوں کی بندگی کا صحیح اظہار ہوتا ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قحط سالی کی شکایت کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے منبر عید گاہ میں رکھ دیا گیا۔"[48]

نماز استسقاء کا طریقہ عید کی نماز کی طرح کا ہے یعنی تکبیرات کے ساتھ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استسقاء کی دو رکعات اسی طرح ادا کرتے جس آپ نماز عید ادا فرمایا کرتے تھے۔"[49] لیکن اس میں خطبہ نماز سے پہلے ہوتا ہے اور اس خطبہ میں زیادہ تر اللہ تبارک و تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش اور عاجزی و انکساری ظاہر کرتے ہوئے بارش طلب کی جاتی ہے، تواضع کا اظہار ظاہر اور باطن دونوں سے کیا جاتا ہے۔ خطبہ میں دعا کے دوران امام منبر پر ہی الٹے ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگتا ہے اور پھر دعاؤں کے بعد اپنا رُخ قبلہ کی جانب کر لیتا ہے اور اپنی چادر کے دونوں کونے پیٹھ پر ہی دائیں بائیں پلٹ دیتا ہے۔ اس کے ساتھ مقتدی بھی ایسا ہی کریں گے[50] کیونکہ اس میں اللہ تعالی سے اس بات کی طلب ہے کہ اے اللہ جس طرح اس چادر کو ہم کو پلٹا تو ہماری حالت کو بدل دے۔ بارش کو دیکھ کر یہ دعا پڑھنا سنت ہے:

اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا. "اے اللہ اس بارش کو نفع بخش بنا دے۔"[51]

نمازِ خسوف و کسوف

لفظ خسوف کا لغوی معنی چاند کو گہن لگنا ہے، اور کسوف کا معنی سورج کو گہن لگنا ہے۔ ان میں لغوی طور پر تو فرق آیا ہے مگر ان الفاظ کو ایک دوسرے کے لیے بولا جا سکتا ہے کیوں کہ بنیادی طور پر ان کا معنی روشنی کے ختم یا کم ہونے کا ہے، اور وہ ہر دو صورت میں ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں سورۃ القیامہ میں لفظ خسف چاند کے لیے استعمال ہوا ہے۔

قبل از اسلام شمس و قمر کے گہنانے کو عجیب و غریب معانی پہنائے جاتے، مگر اسلام نے ان اوہام کو طشت از بام کیا، بلکہ نہ صرف ان نظریات کو ختم کیا بلکہ ایسے نظریات عطا کیے جو سائنس کی بنیاد بنے۔ کیونکہ جب تک مظاہر فطرت کا تقدس

---

38. سنن ابی داؤد، کتاب صلوۃ الاستسقاء، باب رفع الیدین فی الاستسقاء، حدیث نمبر 1173
39. المصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الصلاۃ، کتاب صلاۃ التطوع والامۃ وأبواب متفرقۃ، حدیث نمبر 926
40. المصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الصلاۃ، کتاب صلاۃ التطوع والامۃ وأبواب متفرقۃ، حدیث نمبر 926
41. صحیح بخاری، کتاب الاستسقاء، باب مایقال اذا امطرت، حدیث نمبر 1032

لوگوں کے اذہان میں قائم تھا، تو اس وقت تک ان کی ریسرچ پر پابندی تھی۔ اور اسی طرح اسلام نے انسان کو اس کا مقصدِ حیات یاد دلایا۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ”شمس و قمر اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے ہیں، یہ کسی کی موت یا آفرینش پر نہیں گہناتے، دراصل اس طرح رب تعالی اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ (اپنی قدرت کا اظہار کرتا ہے کہ شاید اب ہی سمجھ لیں۔)“[52]

یہی وجہ ہے کہ شریعت نے اس صورت حال میں رب تعالی کو یاد کرنے اور اچھے کام کرنے کی طرف رہنمائی کی ہے، مثلا اللہ تعالی کی کبریائی کا اقرار کیا جائے، صدقہ کیا جائے، استغفار کیا جائے، اور نماز پڑھی جائے۔ اس نماز کو ادا کرنے کا خاص طریقہ ہے، وہ اس طرح کہ تکبیر تحریمہ سے نماز شروع کی جائے اور پھر لمبا قیام کیا جائے، مثلا سورۃ البقرۃ کے بقدر قرأت کی جائے، اور پھر لمبا رکوع کیا جائے۔ اور پھر قیام کیا جائے مگر یہ پہلے قیام کی نسبت کم ہو گا، پھر پہلے رکوع بہ نسبت کم لمبا رکوع کیا جائے۔ پھر اسی طرح باقی اگلی رکعت تک معمول کے مطابق نماز پڑھی جائے۔ اور پھر اسی طریقہ سے دوسری رکعت ادا کر لی جائے۔[53] ہر رکعت میں تین سے چار تک رکوع کرنے بھی جائز ہیں۔ اور طریقہ وہی ہو گا جو بیان ہو گیا ہے۔[54] گرہن ختم ہونے تک نماز پڑھتے رہنا چاہیے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: ”جب تک گرہن دیکھو تو نماز ادا کرو اور اللہ تعالی سے دعائیں کرو، حتی کہ گرہن ختم ہو جائے۔“[55] اس نماز میں مرد، عورتیں اور بچے سب کو شریک ہونا چاہیے۔ سیدہ اسما رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ: ”سورج گرہن ہوا تو میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی، دیکھا کہ لوگ نماز ادا کر رہے ہیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا بھی نماز پڑھ رہی ہیں۔“[56]

---

42. صحیح بخاری، کتاب الکسوف، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔۔۔۔، حدیث نمبر 1048
43. صحیح بخاری، کتاب الکسوف، باب الصدقۃ فی الکسوف، حدیث نمبر 1044,1052
44. صحیح مسلم، کتاب الکسوف، باب ماعرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الصلاۃ۔۔۔، حدیث نمبر 2111
45. صحیح بخاری، کتاب الکسوف، باب الصلاۃ فی کسوف الشمس، حدیث نمبر 1040
46. صحیح بخاری، کتاب الکسوف، باب صلاۃ النساء مع الرجال فی الکسوف، حدیث نمبر 1035

عبد المتین

سورہ کوثر کی آسان تفسیر

تعارف

1۔ سورۃ الکوثر قرآن پاک کی سب سے چھوٹی سورت ہے اور سورہ بقرہ سب سے بڑی سورت ہے۔

2۔ پہلی آیت کے لفظ "کوثر" کی نسبت سے اس سورت کا نام "کوثر" رکھا گیا ہے۔

3۔ اس سورۂ مبارکہ میں اللہ رب العزت نے مقامِ رسالت اور شانِ رسالت کا بیان فرمایا ہے اور بحیثیت مسلمان ہم جانتے ہیں کہ رسالت کا عقیدہ کس قدر اہم اور بنیادی عقیدہ ہے اسی لیے پورے قرآن میں جگہ جگہ توحید، رسالت اور آخرت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

4۔ اس سورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور مرتبہ کا ذکر ہے۔

5۔ اس سورت میں نماز اور قربانی کا بھی بطور خاص ذکر کیا گیا ہے کہ نماز بدنی عبادات کا نچوڑ ہے اور قربانی مالی عبادات کا بہترین خلاصہ ہے۔

6۔ سورہ کوثر میں خاص طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے کہ لوگوں کی باتوں سے دل برداشتہ نہ ہوں آپ کا مقام و مرتبہ ان باتوں سے کہیں اونچا ہے اور رہے گا۔

7۔ سورت میں اللہ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کا طریقہ بھی سکھایا گیا ہے۔

8۔ سورت میں دین دشمنوں کے بدترین انجام کی پیشن گوئی بھی کی گئی ہے۔

9۔ سورت میں ہر اس شخص کے لیے تسلی کا سامان ہے جو لوگوں کے طعنے سنتا رہتا ہے اور اسے پریشان کیا جاتا ہے اس سورت میں تسلی دی جارہی ہے کہ اللہ ایسے لوگوں کے ساتھ رہتا ہے اور ان کو کبھی گرنے نہیں دیتا۔

10۔ وہ لوگ جو مظلومیت اور دشمنی کا شکار ہیں ان کے لیے بھی یہ سورت بہت اہم ہے۔

پس منظر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت قاسم یا حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہما کا بچپن میں ہی انتقال ہوا تو کفارِ مکہ جشن منانے لگے یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابولہب لوگوں کے پاس جاجا کر مبارکباد دینے لگے کہ "مبارک ہو! محمد کے بیٹے کا انتقال ہو گیا ہے" ان کہ سوچ یہ تھی کہ اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کوئی نرینہ اولاد تو ہے نہیں سب لڑکیاں ہی ہیں اور نسل تو لڑکوں سے چلتی ہے اور لڑکے جو تھے ان کا انتقال ہو چکا، لہذا ان کی نسل آگے چلے گی ہی نہیں اور جب

نسل ہی نہیں چلنے والی تو ان کا پیغام بھی ان کی زندگی تک محدود رہے گا اور اس طرح ان کے بعد کوئی نہیں ہو گا جو ان کے پیغام کو آگے لے جاسکے تبھی وہ آپس میں یہ کہتے پھرنے لگے کہ اس کی پروامت کرو ابھی فی الحال چاہے کتنا ہی شور شرابا ہو رہا ہے لیکن یہ سب زیادہ عرصے تک چلنے والا نہیں بلکہ کچھ وقت کی ہی بات ہے ان کی تحریک ان کے دنیا سے جاتے ہی دم توڑ دے گی اور پھر سے ہمارے بتوں کا بول بالا ہو گا۔

اس سورت میں اللہ رب العزت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو خوشخبریاں ایک ساتھ سنائی ہیں کہ آپ اپنے بچے کی وفات پر اور ان دشمنوں کے تبصروں سے پریشان نہ ہوں کیونکہ

1۔ ہم آپ کو "کوثر" جیسے اعزاز اور انعام سے نواز رہے ہیں۔ 2۔ جہاں تک دشمنوں کی بات ہے وہ آپ پر کیا تبصرہ کریں گے وہ تو خود بے نام ونشان اور عبرت کا نمونہ بننے والے ہیں۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے ساتھ بیٹھے ہی تھے کہ آنکھ لگ گئی اور جھٹکے سے اٹھتے ہی مسکرانے لگے، صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسکراہٹ کی مسکراہٹ کی وجہ پوچھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک بہت بڑے اعزاز سے نوازا ہے وہ یہ کہ ابھی وحی نازل ہوئی ہے جس میں مجھے بڑے انعام سے نوازا گیا ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے مجھے کیا ملا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے "کوثر" سے نوازا گیا ہے۔

1۔ اِنَّـآ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ (1)

ترجمہ: (اے پیغمبر!) یقین جانو ہم نے تمہیں کوثر عطا کر دی ہے۔

کوثر کیا ہے؟

1۔ کوثر سے مراد خیرِ کثیر ہے یعنی خیر کا اتنا بڑا اور زبردست سلسلہ جس میں دنیا آخرت کی ہر خیر اور بھلائی شامل ہے۔

2۔ اس میں جنت کی "کوثر" نامی خاص نہر بھی شامل ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ الْكَوْثَرُ الْخَيْرُ الْكَثِيرُ الَّذِي أَعْطَاهُ اللَّهُ إِيَّاهُ قَالَ أَبُو بِشْرٍ قُلْتُ لِسَعِيدٍ إِنَّ أُنَاسًا يَزْعُمُونَ أَنَّهُ نَهَرٌ فِي الْجَنَّةِ فَقَالَ سَعِيدٌ النَّهَرُ الَّذِي فِي الْجَنَّةِ مِنَ الْخَيْرِ الَّذِي أَعْطَاهُ اللَّهُ إِيَّاهُ۔ (صحیح البخاری: ٦٥٧٨)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کوثر سے مراد بہت زیادہ بھلائی (خیر کثیر) ہے جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہے۔ ابو بشر کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر سے کہا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ کوثر جنت میں

ایک نہر ہے تو انہوں نے کہا کہ جو نہر جنت میں ہے وہ بھی اس خیر اور بھلائی کا ایک حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی ہے۔(صحیح البخاری:6578)

یعنی کوثر کا تعلق ہر قسم کی خیر اور بھلائی سے ہے جس میں جنت کی نہر "کوثر" بھی شامل ہے اور یہ سب کچھ آپ علیہ السلام کے اعزاز میں اللہ کی طرف سے دیا جارہا ہے۔

حوضِ کوثر

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِي عَلَى حَوْضِي۔(صحیح البخاری:۱۸۸۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر قیامت کے دن میرے حوض کوثر پر لگے گا۔(صحیح البخاری:1888)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا حوض (یعنی کوثر لمبائی چوڑائی میں) مہینے کی مسافت کے برابر ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور مشک سے زیادہ خوشبودار ہے اور اس کے برتن (تعداد یا خوب صورتی میں) ایسے ہیں جیسے آسمان کے ستارے، جس نے اس نہر میں سے ایک دفعہ پی لیا وہ پھر کبھی بھی پیاسا نہ ہوگا۔ صحیح بخاری

اس نہر کا فاصلہ سینکڑوں کلومیٹر پر مشتمل ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ ٹھنڈا ہوگا اس نہر کی دیواریں سونے کی ہوں گی اس نہر میں پینے کے پیالوں کی تعداد آسمان کے ستاروں کی تعداد کے برابر ہوں گے اس نہر کی مٹی کی خوشبو مشک عنبر سے زیادہ خوشبودار ہوگی اس نہر کا فرش یاقوت اور ہیرے جواہرات سے بنا ہوگا۔ سبحان اللہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اس نہر پر میں تم کو پانی پلاؤں گا، صحابہؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمیں پہچانیں گے کیسے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں تمہیں تمہارے وضو کے اعضاء کی چمک سے پہچان لوں گا"۔

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا عُرِجَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى السَّمَاءِ قَالَ أَتَيْتُ عَلَى نَهَرٍ حَافَتَاهُ قِبَابُ اللُّؤْلُؤِ مُجَوَّفًا فَقُلْتُ مَا هَذَا يَا جِبْرِيلُ؟ قَالَ هَذَا الْكَوْثَرُ۔(صحیح البخاری:۴۹۶۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک نہر کے کنارے پر پہنچا جس کے دونوں کناروں پر خولدار موتیوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے، میں نے پوچھا اے جبریل! یہ کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ حوض کوثر ہے (جو اللہ نے آپ کو دیا ہے)۔ (صحیح البخاری:4964)

أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ لَيُرْفَعَنَّ إِلَيَّ رِجَالٌ مِنْكُمْ حَتَّى إِذَا أَهْوَيْتُ لِأُنَاوِلَهُمْ اخْتُلِجُوا دُونِي فَأَقُولُ أَيْ رَبِّ، أَصْحَابِي، يَقُولُ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ۔ (صحیح البخاری:٧٠٤٩)

میں حوض کوثر پر تم لوگوں کا استقبال کروں گا اور تم میں سے کچھ لوگ میری طرف آئیں گے جب میں انہیں (حوض کا پانی) دینے کے لیے جھکوں گا تو انہیں میرے سامنے سے ہٹا لیا جائے گا، میں کہوں گا اے میرے رب! یہ تو میری امت کے لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے "آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا نئی باتیں نکال لی تھیں"۔ (صحیح البخاری:7049)

٢۔فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (٢)

ترجمہ: اپنے رب کے لئے نماز پڑھیں اور قربانی کریں۔

نعمتوں پر شکر ادا کرنا

1۔ سورہ کوثر کی اس دوسری آیت میں کوثر جیسی عظیم نعمت ملنے کے بعد اس نعمت پر شکر ادا کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

2۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی نعمت کے ملنے پر اس کی قدر دانی کا یہی طریقہ ہے کہ اس پر شکر ادا کیا جائے۔

3۔ قرآن کریم سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ نعمتوں پر شکر ادا کرنے سے نعمت میں برکت ہو جاتی ہے اور نعمت کی ناقدری کرنے سے وہ نعمت چھینی بھی جا سکتی ہے۔

4۔ سمجھ دار شخص وہی ہے جو اللہ کی نعمتوں کو سوچ سوچ کر بار بار یاد کر کے غور و فکر کرے، اس طرح کرنے سے نعمتوں میں اضافہ بھی ہوتا ہے، گناہوں سے بچنے کا حوصلہ بھی پیدا ہوتا ہے اور سب سے اہم بات اللہ رب العزت کے ساتھ بندے کا تعلق بن جاتا ہے۔

5۔ اس آیت میں شکر ادا کرنے کے دو طریقوں کا ذکر ہے:

1۔ نماز کی ادائیگی ،2۔ قربانی

8۔ آیت میں اللہ رب العزت بہت ہی پیارے انداز میں فرماتے ہیں کہ "لربک "یعنی "اپنے رب کے لیے" جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ جب نعمت رب نے دی ہے تو نماز اور قربانی کا عمل بھی اسی کو راضی کرنے کے لیے کرو لہذا اپنے عمل میں اخلاص اور خالص پن پیدا کرو۔ ریاکاری دکھاوا اور لوگوں کو دکھانے کے لیے نیک کام مت کرو ورنہ یہ بے وفائی کا سودا ہو جائے گا کہ لیا کسی سے اور شکریہ کسی اور کا ادا کر رہے ہیں۔

9۔ نماز اور قربانی کا نام لے کر دین کے دو بہت بڑے شعبوں کی طرف اشارہ فرمایا کیونکہ اللہ کی عبادت کرنے کے دو ہی طریقے ہیں:

1۔ جانی عبادت

2۔ بدنی عبادت

جانی عبادات میں نماز، روزہ اور حج جیسی عظیم عبادات شامل ہیں جن میں انسان اپنی جان اور بدن کی توانائی خرچ کر کے اللہ کی رضا حاصل کرتا ہے اور مالی عبادات میں زکوۃ، قربانی اور حج جیسی عبادات شامل ہیں جن میں بندہ اپنا مال لگا کر اللہ کی رضامندی حاصل کر لیتا ہے۔

10۔ سورہ کوثر کی اس دوسری آیت میں اللہ رب العزت جانی مالی دونوں عبادات کو ایک ساتھ ذکر کر رہے ہیں کہ نماز اور قربانی ان دونوں کی ایک مجموعی شکل ہے۔

11۔ آیت میں خاص طور نماز اور قربانی کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ نماز اللہ رب العزت کی یاد کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اور اسی طرح قربانی کرنا مال خرچ کرنے کا سب سے بہترین مصرف ہے۔

12۔ خلاصہ یہ کہ اللہ رب العزت جب تمہیں کوئی نعمت دیں تو تم نماز روزہ حج اور زکوۃ قربانی وغیرہ جیسی عبادات کا اہتمام کرو اس طرح تم نعمتوں پر شکر ادا کرنے کے لائق بن سکو گے۔

۳۔اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ(۳)

ترجمہ: یقین جانو تمہارا دشمن ہی بے نام ونشان ہونے والا ہے۔

دشمنانِ نبی کے لیے اعلان

1۔ سورہ کوثر کی اس تیسری اور آخری آیت میں اللہ رب العزت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو پیار بھری تسلی دے رہے ہیں۔

2۔ اللہ رب العزت کو اپنے حبیب سے کیسی محبت ہے کہ جب محبوب کو طعنے دیے جا رہے ہیں عین اسی موقع ہر اللہ کی رحمت جوش میں آرہی ہے کہ خبردار! میرے محبوب کو کچھ مت کہنا کیونکہ میرے محبوب کی تو بات ہی کچھ اور ہے تم آج کے بعد بس اپنی فکر کرو۔

3۔"ابتر" عربی زبان میں ایسے شخص شخص کو کہا جاتا ہے جس کی کوئی نرینہ اولاد نہ ہو اور اسی وجہ سے اس کی نسل آگے نہیں چل سکے تبھی عرب ایسے شخص کو ابتر کہتے تھے کہ اس کی نسل آگے نہیں چلنے والی اور اس کا نام ونشان مٹ جانے والا ہے۔

4۔جو طعنہ آپ علیہ السلام کو دیا گیا اللہ رب العزت اپنے حبیب کا بدلہ خود لیتے ہوئے انہی کی زبان میں جواب دیا کہ جس کو تم "ابتر" کہہ رہے ہو اس کا تم کچھ بگاڑ نہیں سکتے بلکہ اس طعنے کا شکار تم خود بننے والے ہو۔

5۔اللہ رب العزت نے اپنا وعدہ اس طرح سچا فرمادیا کہ آج ڈیڑھ ہزار سال گزرنے کے باوجود آپ علیہ السلام کے نام کی دھوم مچا رکھی ہے اور دشمن کا کچھ اتا پتا نہیں۔

6۔نسبی خاندان کے ساتھ ساتھ اللہ رب العزت نے آپ کی روحانی اولاد کا "امت مسلمہ" کے نام سے ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری فرمادیا۔

7۔ اللہ رب العزت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دے رہے ہیں کہ جو جو آپ کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں وہ تار عنکبوت (مکڑی کا جالا) ثابت ہوں گے۔چناں چہ ایسا ہی ہوا، خاتون جنت بی بی فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ کے مبارک بطن سے سادات رسول کے نام سے دنیا کے چپے چپے میں آپ کی اولاد موجود ہے جن میں حسنی اور حسینی دونوں خاندان موجود ہیں۔

8۔جب آپ علیہ السلام مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے نکلے تو صرف سیدنا ابو بکر صدیقؓ آپ کے ساتھ تھے اور جب واپس مکہ تشریف لائے تو دس ہزار کا لشکر فاتح بن کر اسی شہر میں داخل ہوا جہاں آپ کے دشمن ہوا کرتے تھے اور طعنے دیا کرتے تھے، آپ کے مبارک دور میں عرب کا پورا خطہ اسلام کی آغوش میں آگیا اور مکمل جزیرۂ عرب اسلام کے قریب آگیا، آپ کے بعد خلفائے راشدینؓ کے دور میں آدھی دنیا میں اسلام چھا گیا۔

اسی طرح ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ میں آج تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک نام اذان کی صورت میں پوری دنیا میں کہیں نا کہیں گونج رہا ہوتا ہے، نماز میں درود شریف کی صورت میں، قرآن میں، حدیث میں، ذکر واذکار اور مناجات میں، ہر جگہ آپ کا نام نامی عقیدت محبت اور عشق وسرور کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

اسی طرح سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا میں سب سے زیادہ مواد تیار کیا جاچکا ہے اور صرف آپ کی مختصر سیرت نہیں بلکہ آپ کی ایک ایک ادا کو محفوظ کرکے امت تک پہنچایا جارہا ہے اور بالخصوص فن شعر وشاعری میں نعتیہ کلام کی ایک طویل فہرست ہے جو بڑھتی جارہی ہے۔

9۔آیت میں آپ علیہ السلام کے دشمنوں کے خاتمے کا جو اعلان اللہ رب العزت فرمارہے ہیں یہ صرف اس دور کے ابو جہل اور ابو لہب کے لیے نہیں بلکہ قیامت تک جو جو آپ کی ذات یا آپ کے پیغام کے ساتھ دشمنی کریں گے ان کے لیے یہی اعلان رہے گا۔

ڈاکٹر ظہور احمد دانش

حافظ نور رضا اور گردے کی کہانی

انسان کے جسم کا ہر ہر جُز جسم قدرت کا عظیم شاہکار ہے ۔میں چونکہ شعبہ طب سے وابستہ ہوں نیز biologyکا استاد بھی ہوں۔چنانچہ ایسے میں مجھے انسانی زندگی اور انسان جسم کو study کرنے کا بخوبی موقع ملا۔لیکن یہ معلومات میرے لیے علمی اثاثہ تو تھی لیکن شاید بیماریوں کے بارے روح میں اتر کر سمجھنے کا وہ خاص جذبہ نہ تھا۔لیکن جب میرے ابو جان کو بڑی آنت کا کینسر ہوا تو میں نے اس مرض پر کوشش کی کہ کام کروں لوگوں کو شعور دوں کیوں کہ اس بیماری کی وجہ سے میرے عظیم بابا مجھ سے جُدا ہوگئے۔پھر زندگی میں کئی موڑ آئے جہاں میں نے میڈیا فیلڈ اور ٹیچنگ چھوڑ کر بحثیت ڈاکٹر ہی کام کرنے کا فیصلہ کیا لیکن اپنے ان ارادوں پر فقط رسم ہی کی حد تک قائم رہ سکا جو کہ کسی طور پر بھی درست نہ تھا میں ایک نرم مزاج اور حساس طبیعت انسان ہوں مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں دکھیاروں، بیماروں کے لیے ایک مشفق معالج و مسیحا بن سکتا ہوں۔اللہ کریم مجھے اخلاص کے ساتھ اپنے بندوں کی خدمت کا شرف عطا فرمائے۔

23اگست 2023بروز جمعہ کی بات ہے کہ جب میرے بیٹے کو مثانے میں تکلیف ہوئی۔میں اسپتال لے کر گیا لیکن جنرل ٹریٹمنٹ کے بعد افاقہ نہ ہوا چائلڈ اسپشلسٹ کو چیک اپ کروایا لیکن وہی رسمی جواب ڈرپ انجیکشن لگانے کا لیکن معالج ٹھیک سے اس کی تشخیص نہ کر سکا۔ہم ماں باپ رات بھر اسپتال کے دھکے کھاتے رہے۔یہ معاشرے کا وہ شخص ہے جو خود بھی معالج ہے سوسائٹی میں کچھ نہ کچھ قد بھی رکھتا ہے ایک عامی فرد کے ساتھ نہ جانے کیا گزرتی ہوگی۔بلکہ ایک پوائنٹ وہ بھی آیا کہ میری جیب جواب دے چکی تھی اور کچھ ٹیسٹ باقی تھی ریسپشن والے نے صاف منع کیا۔ایک بات کی اس وقت روح تڑپ گئی تھی۔

میں شاید یہ مضمون نہ لکھتا لیکن اس روح کو ہلا دینے والے والے نظام سے آگاہ کرنا ضروری ہے خیر جیسے تیسے علاج کی ابتدا ہوئی ۔پھر میں نے علامت سے اندازہ لگایا کہ میرے بیٹے کے کڈنی میں پرابلم ہے اور urineٹھیک سے پاس نہیں ہو رہا۔بیٹا حافظ نور رضا بے بس تڑپتے تڑپتے رات کاٹی۔پھر ایس آئی یو ٹی لے کر گیا۔

قارئین: آپ کے اندر اتنی اخلاقی جرات ہونی چاہیے کہ آپ کسی کی کوشش اور محنت پر اُسے داد دیں۔میں ڈاکٹر ادیب رضی کو سلیوٹ کرتا ہوں جنھوں نے اس تھرڈ ورلڈ کنٹری کے نادار و بے بس انسانوں کے لیے اتنا بڑا کام کیا۔اس اسپتال میں پورا نظام ہی بہت بہترین ہے ۔میرے بیٹے نور رضا کو گردے میں اور مثانے میں پتھری کی تشخیص ہوئی ۔بہت ہی مشفق سرجن ڈاکٹر صاحبہ نے پوری یکسوئی توجہ سے میرے بیٹے کی رپورٹس سے کیس ٹیکنگ کی اور مجھے اپریشن کی پوزیشن بتانے کے بعد میرے بیٹے کو ادویات کے استعمال کا کہا لیکن اس پورے پراسس میں میں نے ہر قدم پر اسٹاف کو بہت مہربان پایا۔لیکن اسپتال میں گردے کے مرض میں بچے بوڑھے جوان، مرد وزن کو دیکھ کر کلیجہ منہ کو آنے لگا۔

سرزمین پاکستان پر جینے والے یہ اللہ کہ بندے پانی ملتا نہیں جہاں ملتا ہے وہاں اتنا آلودہ کہ گردے تو پتھری کا مرکز بن گئے۔ تڑپتے بلکتے انسان میرے اللہ تو کریم ہے ہم تیرے عاجز بندے ہیں۔ کرم فرمادے۔

گردے قدرت کا عظیم عطیہ اور ہماری باڈی میں فلٹر پلانٹ ہیں۔ گردے ہمارے جسم میں موجود زہریلے مادوں اور فضلات کو فلٹر کرکے انہیں خارج کرتے ہیں۔ یہ عمل زندگی کے لیے ضروری ہے اور اللہ کی طرف سے ہمیں یہ طاقت دی گئی ہے کہ ہم اپنی صحت کا خیال رکھ سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے گردوں کے ذریعے جسم میں پانی اور نمکیات کا توازن برقرار رکھا ہے، جو ہمارے جسم کے تمام افعال کے لیے ضروری ہے۔ یہ توازن ہمارے جسم کو صحت مند اور متوازن رکھتا ہے۔ گردے بلڈ پریشر کو کنٹرول کرنے میں مدد کرتے ہیں، جو دل اور خون کی نالیوں کی صحت کے لیے انتہائی اہم ہے۔ یہ بھی اللہ کی طرف سے دی گئی ایک بڑی نعمت ہے جو ہماری زندگی کو متوازن رکھتی ہے۔

قارئین: اس مضمون میں میری کوشش ہوگی کہ میں آپ کو بچوں میں گردوں کی بیماری کے حوالے سے آگہی پیش کرسکوں۔

بچوں میں گردے کی بیماری کی علامات

- آنکھوں، چہرے یا ٹخنوں کے گرد سوجن
- بار بار پیشاب کرنا یا پیشاب کرنے میں دشواری
- پیشاب میں خون
- پیٹ یا کمر میں درد
- تھکاوٹ
- کم بھوک
- ہائی بلڈ پریشر
- وزن میں کمی

تشخیص اور علاج

بچوں میں گردے کی بیماری کی تشخیص میں اکثر خون کے ٹیسٹ، پیشاب کے ٹیسٹ اور امیجنگ اسٹڈیز شامل ہوتے ہیں۔ علاج کا انحصار بنیادی وجہ پر ہے اور اس میں دوائیں، غذائی تبدیلیاں، یا سنگین صورتوں میں، ڈائیلاسز یا گردے کی پیوند کاری شامل ہو سکتی ہے۔

اگر آپ کو شک ہے کہ آپ کے بچے کو گردے کی پریشانی ہو سکتی ہے، تو یہ ضروری ہے کہ ماہر امراض اطفال یا نیفرولوجسٹ سے مشورہ کریں۔ ابتدائی تشخیص اور علاج سے پیچیدگیوں کو روکنے اور نتائج کو بہتر بنانے میں مدد مل سکتی ہے۔

محمد رضوان

بت پرستی

اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ وہ ہر گناہ معاف کر سکتا ہے لیکن وہ شرک کو کبھی معاف نہیں کریگا۔ شرک کی سادہ سی تعریف یہ ہے کہ جو خصوصیات اللہ کی ہیں ان میں اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کرنا جیسا کہ کبریائی، رزاق، وحدانیت، صمدیت، قیومیت، محیی اور معزو غیرہ۔ شرک کی بہت سے اقسام ہیں لیکن ایک واضح قسم جو ہے وہ ہے بت پرستی۔ اسی لیے بت پرستی کی ممانعت ہے لیکن اسکا مطلب صرف پتھر کی مورتیوں کی عبادت ہی نہیں ہے۔ بت پرستی کی ممانعت کا مقصد صرف پتھر کی مورتیاں نہیں بلکہ انسان کے دل میں موجود وہ تمام بت ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی بھی ادنیٰ سے ادنیٰ درجے پر بھی شرک کی شکل اختیار کرلے۔

کسی بھی شے یا شخص کو اللہ کے برابر یا اس سے بڑھ کر اہمیت دینا بت پرستی ہے۔ بت پرستی توحید کی ضد ہے اور اللہ کی واحدانیت پر سوال اٹھانے جیسا ہے۔ بے شک اللہ شرک کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے۔ اور جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے، اس نے بڑا گناہ اور بہتان باندھا۔

شخصیت پرستی بھی بت پرستی ہے، جب کسی انسان کو بے جا اہمیت دی جائے کہ اسکی بات کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات پر ترجیح دی جائے تو یہ بت پرستی ہے۔ شخصیت پرستی انسان کو حق سے دور کر دیتی ہے جبکہ اللہ پر توکل فرقان عطا کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے والدین، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ جب نبی پر ترجیح نہیں تو اللہ تو پھر ذوالجلال ہے۔

عصبیت بھی بت پرستی ہے، نسلی یا خاندانی تعصب ایک بت ہے جو انسان کو انصاف سے دور کر دیتا ہے اور معاشرتی بگاڑ کا سبب بنتا ہے۔ عصبیت اسی صورت جائز ہے جب تک کے یہ انصاف کا دامن نہ چھوڑے ورنہ یہ دور جاہلیت کا عمل ہے۔

انا اور میں بھی بت پرستی ہے، انا تکبر میں مبتلا کر دیتی ہے اور عاجزی چھین لیتی ہے اور اللہ کسی خود پسند اور تکبر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

وطنیت بھی بت پرستی ہے، وطن سے محبت اور اسکا دفاع ایک فطری عمل ہے لیکن اگر یہ اللہ کے ارادے اور منشاء کے مطابق ہو اور اگر یہ اس سے تجاوز کر جائے تو یہ بھی جائز نہیں ہے۔ وطن کی محبت اللہ کی محبت کے تابع ھونا لازم ہے اس طرح کے کہہ دو کہ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

فرقہ پرستی بھی بت پرستی ہے کیونکہ یہ تقسیم پیدا کرواتی ہے اور اللہ کے راستے سے بھٹکا دیتی ہے جبکہ اللہ تو کہتا ہے کہ اسکی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔

مادیت پرستی بھی بت پرستی ہے یہ دنیاوی مال ودولت کی حوس پیدا کرتی ہے اور دنیا کی فانی چیزوں میں مشغول کر دیتی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہیں مال و اولاد کی محبت نے غافل کر دیا، یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے۔ مادیت پرستی انسان کو خواہشات نفس کی پیروی پر مجبور کرتی ہے اور اس پر قرآن کیا خوب کہتا ہے کہ کیا تم نے اسے نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنالیا ہے۔

ریاکاری بھی بت پرستی ہے کیونکہ دکھاوے کی عبادت اللہ کیلیے تو نہیں وہ تو اپنے نفس کی تسکین کیلیے کی جاتی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بربادی ہے ان نمازیوں کے لئے، جو اپنی نماز میں غافل ہیں، جو دکھاوا کرتے ہیں۔

بت پرستی صرف خارجی ہی نہیں ھو سکتی بلکہ یہ ذہنی، باتنی اور روحانی بھی ھوتی ہے اور یہ بت انسان کے افکار اور عقائد میں موجود ھوتے ہیں اور روحانی طور پر کمزور کر کے خود کے سامنے سرنگوں کرتے ہیں۔ وہ اقبال نے کیا خوب کہا تھا کہ وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے، ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات۔

علمی تکبر بھی ایک خطرناک بت ہے۔ یہ انسان کو اپنی قابلیت اور علم کو اللہ کی طرف سے عطا کردہ نعمت کے بجائے اپنی ذاتی خصوصیت سمجھنے پر مجبور کرتا ہے۔ جبکہ علم کا شہر دعائیں مانگتا رہا کہ اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما۔

اقتدار اور طاقت کا نشہ بھی بت پرستی ہے۔ جب انسان اپنے اختیار اور طاقت کو اللہ کی قدرت سے بڑھ کر سمجھنے لگتا ہے، تو یہ اس کے دل میں بت بن جاتا ہے۔ جبکہ ھونا تو یہ چاہیے کہ انسان کہہ دے: اے اللہ! جو تمام بادشاہت کا مالک ہے، تو جسے چاہے بادشاہت دیتا ہے اور جس سے چاہے بادشاہت چھین لیتا ہے۔ شداد، فرعون، نمرود اور نہ جانے کتنے قصہ پارینہ ھوگئے تو عبرت پکڑیں اور کس طاقت کا زعم اور اقتدار کی لالچ میں نہ رہیں۔

ان بتوں سے نجات کیلیے انکو جاننا اور پہچاننا بہت ضروری ہے اور اس کے لیے علم، تربیت، مشاہدے اور مجاہدے کی بھی ضرورت ھوتی ہے۔ علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا ہی انسان کو ان بتوں سے نجات دلا سکتا ہے۔ ان بتوں سے بچنے کا سادہ سا کلیہ یہ ہے کہ جو کریں اللہ کیلیے کریں۔ باتنی صفائی کی طرح دلکی اور روحانی پاکیزگی کی اشد ضرورت ھوتی ہے تاکہ انسان ان باطنی بتوں سے نجات حاصل کر سکے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یقیناً اللہ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔

اسلام نے بت پرستی کی جتنی بھی شکلیں ہیں، ان سب کی ممانعت کی ہے تاکہ انسان اللہ کی توحید پر قائم رہے۔ تمام بتوں سے بچنے کے لئے ہمیں اللہ کی طرف رجوع کرنا ہوگا اور اس کی توحید پر مضبوطی سے قائم رہنا ہوگا۔ اسلام کی تعلیمات کا مقصد انسان کو ہر قسم کی بت پرستی سے بچانا اور اللہ کی توحید پر قائم رہنے کی تلقین کرنا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے دلوں اور زندگیوں سے ان تمام بتوں کو نکال دیں اور صرف اللہ کی عبادت کریں۔ یہی وہ راستہ ہے جو ہمیں دنیا اور آخرت میں کامیاب کر سکتا ہے۔

ڈاکٹر ظہور احمد دانش

بچوں کو سیرت رسول سمجھانے کے طریقے

سیرت رسول انسانیت کو عزت، انصاف، اور محبت کے اصول سیکھانے کا عمدہ اور بہترین ذریعہ ہے۔ ان کی زندگی کی ہر جھلک ہمیں ایک بہتر انسان بنانے کی ترغیب دیتی ہے۔ چنانچہ ہم بھی اپنی اولادوں کو باکردار، عمدہ گفتار اور بہترین انسان کے طور پر دیکھنے کا خواب سجائے ہوئے ہوتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کو سیرت رسول سے مانوس کیسے کریں؟ انھیں سیرت سیکھائیں سمجھائیں کیسے؟ تو آیئے ہم اس مضمون میں آپ کو کچھ مفید مشورے دیتے ہیں جن کی مدد سے آپ اپنے بچوں کو سیرت رسول پڑھنے اور عزت وشان والی اس life model کو اپنی زندگی میں نافذ کرنے کا ذہن دے سکتے ہیں۔ وہ اہم باتیں اور اہم نکات کچھ یہ ہیں۔

سیرتِ رسول ﷺ کی کہانیاں:

بچوں کو سیرتِ رسول ﷺ کی کہانیاں سنائیں جن میں نبی ﷺ کی سادگی، صداقت، اور رحمت کے واقعات شامل ہوں۔ کہانیاں انہیں سیرت کے مختلف پہلوؤں سے متعارف کرانے کا ایک دلچسپ طریقہ ہو سکتی ہیں۔

مثال کے ذریعے سکھائیں :

خود نبی ﷺ کی تعلیمات پر عمل کریں اور بچوں کو بھی ان پر عمل کرنے کی ترغیب دیں۔ عملی مثال بچوں کے دل پر گہرا اثر ڈال سکتی ہے۔

تعلیمی ایکٹیویٹی :

سیرتِ رسول ﷺ پر مبنی تعلیمی کھیل اور سرگرمیاں ترتیب دیں جو بچوں کو تفریح اور تعلیم دونوں فراہم کریں۔ یہ کوئز کمپیٹیشن کی صورت بھی ہوسکتی ہیں۔

تاریخی ویڈیوز اور ڈاکیو منٹریز :

سیرتِ رسول ﷺ پر مبنی ویڈیوز اور ڈاکیو منٹریز دکھائیں جو بچوں کو بصری طور پر بھی سیرتِ رسول ﷺ کی تفصیلات فراہم کر سکیں۔

معلوماتی کتابیں :

بچوں کے لئے سیرتِ رسول ﷺ پر مبنی کتابیں فراہم کریں جو آسان زبان میں لکھی گئی ہوں اور دلچسپ تصاویر شامل ہوں۔

تعلیمی ورکشاپس :

مدرسے یا کسی دینی ادارے میں سیرتِ رسول ﷺ پر ورکشاپس اور کلاسز کا انعقاد کریں جن میں بچوں کو نبی ﷺ کی زندگی کے اہم پہلوؤں سے آگاہ کیا جائے۔

تصویری کتابیں:

:بچوں کے لیے سیرتِ رسول ﷺ پر مبنی رنگین اور تصویری کتابیں فراہم کریں، جو آسان زبان میں لکھی گئی ہوں اور دلچسپ تصاویر شامل ہوں۔

مسائل کے حل میں رہنمائی:

بچوں کو سیرتِ رسول ﷺ کے واقعات کے ذریعے مسائل کے حل کے طریقے سکھائیں اور بتائیں کہ نبی ﷺ نے مشکلات کا سامنا کیسے کیا۔

مثال پیش کریں :

نبی ﷺ کی زندگی میں ہر عمل کی مثال پیش کریں، جیسے کہ سچائی، عفو ودرگزر، اور سخاوت۔ بچوں کو بتائیں کہ نبی ﷺ نے مشکل حالات میں بھی کیسے صبر اور عزم کا مظاہرہ کیا۔

پھول کی مانند پیغام :

نبی ﷺ کی تعلیمات کو محبت اور شفقت کے پھول کی مانند پیش کریں۔ ہر تعلیم کی خوبصورتی اور اس کے فائدے کو نرم اور محبت بھرے انداز میں بیان کریں۔

گھر میں کتابیں اور وسائل :

سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابیں اور وسائل گھر میں آسانی سے دستیاب رکھیں، تاکہ بچے خود بھی انہیں پڑھ سکیں۔

مخصوص وقت مختص کریں :

روزانہ یا ہفتے میں مخصوص وقت مقرر کریں جب بچے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ سکیں۔ یہ وقت نماز کے بعد یا رات کو سونے سے پہلے ہو سکتا ہے۔

سیرت کی روشنی میں سوالات :

بچوں کو نبی ﷺ کی زندگی کے واقعات کے بارے میں سوالات پوچھنے کی ترغیب دیں۔ سوالات کے جوابات دیتے ہوئے ان کے دل میں سیرت کی محبت بٹھائیں اور ہر جواب کو حکمت اور عبرت کے ساتھ پیش کریں۔

عملی مثالیں

نبی ﷺ کی زندگی کے واقعات کو موجودہ حالات کے ساتھ ملا کر پیش کریں۔ مثلاً، اگر بچہ کسی مشکل کا سامنا کر رہا ہے، تو نبی ﷺ کے صبر اور عزم کی مثال دیں تاکہ وہ سمجھ سکے کہ نبی ﷺ نے مشکلات کا سامنا کیسے کیا۔

دلچسپ اور تعلیمی کہانیاں :

سیرتِ رسول ﷺ کے واقعات کو بچوں کے لیے دلچسپ کہانیوں کی صورت میں پیش کریں۔ ہر کہانی میں نبی ﷺ کی حکمت اور اخلاقی سبق کو شامل کریں۔

روحانی تصورات :

نبی ﷺ کی زندگی کے روحانی پہلوؤں پر توجہ دیں، جیسے کہ دعا، ذکر، اور توکل۔ بچوں کو بتائیں کہ نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کس طرح کا تعلق قائم رکھا اور اس تعلق کی اہمیت کیا ہے۔

مقابلہ کی تکنیک:

: نبی ﷺ کی زندگی کے واقعات اور موجودہ دور کے حالات کا موازنہ کریں۔ بچوں کو بتائیں کہ نبی ﷺ کے اصول اور تعلیمات آج بھی کس طرح کارگر ہیں۔

آرٹ اور تخلیقی سرگرمیاں

: سیرتِ رسول ﷺ پر مبنی تخلیقی سرگرمیاں، جیسے کہ ڈرائنگ، پینٹنگ، یا اسٹوری، بچوں کو نبی ﷺ کی زندگی سے جوڑنے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہیں۔

میوزیم اور نمائشیں :

سیرتِ رسول ﷺ کے تاریخی واقعات اور یادگاروں پر مبنی میوزیم یا نمائشوں کا اہتمام کریں۔

ہمیں امید ہے کہ پیارے آقا ﷺ سے محبت کو عام کرنے اور اپنی اولادوں کو سیرت پڑھنے اور سمجھنے اور سمجھانے کے لیے یہ مضمون آپ کے لیے مددگار ثابت ہو گا۔ اللہ پاک ہمیں محبت رسول میں جینا اور اسی محبت پر مرنا نصیب فرمائے۔ آمین

محمد مبشر نذیر

سلسلۂ سوال و جواب

مجبوری میں کی گئی چوری کی سزا

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ؛ بھائی میرا سوال یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنا روزگار بہت تلاش کیا مگر کچھ ہاتھ نہیں آیا تو اس نے مجبوری کی حالت میں چوری کی ہو تو کیا اس کو چوری کی سزا دینی چاہیے؟ یہ سزا کتنا دفعہ جرم کرنے کے بعد لاگو ہو گی؟ جرم کی سزا اسلام میں مرد و عورت پر مختلف جرائم پر ایک ہی لاگو ہو گی یا عورت کیلئے کچھ رعایت بھی ہو گی؟

جواب: جب مجبوری کی حالت ہو تو پھر حکومت اس میں معاف کر دیتی ہیں۔ اس کی مثال ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت میں قحط کا ٹائم گزرا۔ اس میں پھر عمر رضی اللہ عنہ نے کھانے کی چوری پر سزا نہیں دی۔ اسی طرح قرآن مجید کے نزول کے وقت بدکاری کی سزا شروع میں نہیں کروائی۔ آپ سورۃ النساء کے شروع میں پڑھ چکے ہیں کہ طوائف عورتوں کو اپنے گھر تک بند کر دیجیے۔ پھر کئی سال بعد سورۃ النور میں حکم آ گیا کہ بدکاری کی سزا لاگو کی جائے گی۔ اس میں بھی آزاد لوگوں پر 100 کوڑے کی سزا دی لیکن غلام خواتین پر 50 کوڑے کی سزا کی اجازت دے دی۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ لڑکیوں کو بچپن سے ہی طوائف کی تربیت دی جاتی تھی۔

ہمیں کس طرح پتا لگے گا کہ ہم پر حج فرض ہے یا نہیں؟

سوال: حج کن لوگوں پر فرض ہے اور ہمیں کس طرح پتا لگے گا کہ ہم پر حج فرض ہے یا نہیں؟

جواب: ہر مسلمان پر حج اس وقت فرض ہوتا ہے جب اس میں حج کرنے کی طاقت موجود ہو۔ اب طاقت دو طرح کی ہے، صحت اور معاش۔ حج ایک مرتبہ ہی فرض ہے۔ آپ کو پوری زندگی میں کسی وقت بھی اچھی صحت ہوئی اور اتنی بچت ہوئی کہ آپ حج کر سکتے ہیں تو فرض ہو گیا۔ اگر پوری زندگی تک اتنی رقم نہ ملی یا بیمار ہو گئے تو پھر فرض نہیں ہے۔ لیکن خواہش پوری زندگی ہی ہونی چاہیے اور اللہ تعالی سے دعا کرتے رہنا چاہیے کہ اللہ تعالی مجھے حج کرنے کی استطاعت عنایت فرمائے۔

مجھے بھی خواہش 15 سال کی عمر میں پیدا ہوئی اور دعا کرتا رہا۔ اللہ تعالی نے اس وقت استطاعت دی جب میں 32 سال کی عمر میں آیا۔ اس وقت سعودی عرب میں تھا اور میں نے فیملی کے ساتھ حج کر دیا الحمد للہ کہ یہ فرض ادا ہو گیا۔ پھر اگلے سال نفل حج کر دیا اور اس میں والدہ کا حج کروا دیا الحمد للہ۔ اب بھی زندگی میں موقع ملا تو وہ نفل حج ہی ہو گا۔

سٹاک مارکیٹ اور سود کے متعلق سوالات

سوال: کیا سٹاک مارکیٹ میں انویسٹمنٹ کرنا حرام ہے؟

جواب: یہ بالکل جائز ہے لیکن یہ سوچ لیجیے کہ اس کی نیت کیا ہے؟ اگر اسٹاک مارکیٹ میں آپ کسی کمپنی میں انوسٹ کر رہے ہیں تاکہ ہر سال آپ کو آمدنی آتی رہے تو پھر آپ یہ چیک کر لیجیے گا کہ وہ کمپنی کا کام حلال ہے یا نہیں؟ اب کمپنی کا کام حلال ہے جیسے مثلاً یونی لیور یا نیسلے کی اشیاء حلال ہیں تو آپ کو آمدنی بھی حلال ہے۔ اگر آپ کسی شراب والی کمپنی میں انوسٹ کیا تو پھر وہ حرام ہو گا۔ بہت سے لوگ اسٹاک ایکسچینج میں ایک احمقانہ حرکت کرتے ہیں کہ وہ شیئرز خرید لیتے ہیں، پھر جب اس کی قیمت بڑھے تو اسی دن بیچ لیتے ہیں۔ اسے حرام تو نہیں کہہ سکتے ہیں لیکن یہ ایک طرح جوائے ہی کی شکل ہو سکتی ہے کیونکہ جن کمپنیوں کے شیئرز خریدے ہوں تو ان کی قیمت گر بھی سکتی ہے۔ اگر انسان نے حلال کمپنی کے شیئرز لیے ہیں اور نیت ڈیویڈنڈ (یعنی کمپنی آپ کو ہر سال دے گی) تو جائز ہے۔ پھر کسی وقت انہوں نے شیئر بیچا اور اس میں کوئی پرافٹ بھی ملا تو جائز ہے۔

سوال: اگر سٹاک ایکسچینج میں موجود ایک کمپنی سود پر قرض لے کہ کاروبار کرتی ہے۔ تو کیا اس کمپنی میں انویسٹمنٹ کرنے سے ہم بھی گناہ گار ہونگے؟

جواب: بالکل صحیح فرمایا ہے۔ کمپنی کا کام حرام ہے تو پھر گناہگار ہو گئے جنہوں نے انوسٹ کیا ہے۔ مثلاً آپ نے کسی بینک کے شیئرز خریدے ہیں تو وہ بینک سودی آمدنی لیتے ہیں، پھر اسی کا حصہ ڈیویڈنڈ کی شکل میں دے دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ بینک حرام آمدنی لے کر اس کا حصہ آپ کو دے رہا ہے۔

سوال: بینک سے قرض لینا پھر واپسی پر وہ زیادہ رقم لیتے ہیں کیا یہ بھی سود ہے؟

جواب: یہ بالکل سود ہے۔ حقیقت میں یہی تو سود ہے جو بینک کماتے ہیں۔

سوال: بعض اوقات اگر کوئی چیز اقساط پر لیں تو وہ نقد رقم سے زیادہ رقم لیتے ہیں کیا یہ بھی سود ہے؟

جواب: اس میں یہ دیکھیے کہ وہ چیز کیا ہے؟ ہر وہ چیز کو ڈسپوزایبل (Disposable Products) ہے تو اس میں سود ہے۔ مثلاً آپ نے قرض پر چاول لے لیا۔ اب کھا لیا تو وہ چیز فنا ہو گئی۔ اب آپ کئی عرصے بعد رقم دیں گے تو وہ لینے والا سود ہی لے رہا ہے۔ اس کے الٹ میں آپ دوسری مثال دیکھیے کہ آپ نے بینک یا لیزنگ کمپنی سے گاڑی یا گھر خریدا ہے۔ اب اس کی اصل قیمت ہی وہ کئی مہینوں تک لیتے رہیں گے۔ اس کے ساتھ وہ ہر مہینے رینٹ بھی لے رہے ہوتے ہیں۔ یہ بالکل جائز ہے کہ اس میں سود نہیں ہے۔ جب آپ ساری رقم لے لیں گے تو آپ اس گاڑی یا گھر کے مالک بن چکے ہوں گے۔ ساری رقم دینے کے بعد بھی وہ فنا نہیں ہوتا ہے۔ اسے ہم انگلش میں Useable Product کہتے ہیں۔

سوال: سرجی سٹاک ایکسچینج میں جو بھی کمپنیاں ہوتی ہیں وہ تقریباً ساری سود پر قرض لیتی ہیں۔ تو کیا پھر بھی ان میں انویسٹمنٹ کر سکتے ہیں؟

جواب: قرض تو سب ہی کمپنیاں لیتی ہیں کیونکہ سب ہی کے پاس کیش کم ہوتا ہے۔ یہ ان سب کی مجبوری ہے اور ہم اس کا کوئی حل نہیں کر سکتے ہیں۔ خود حکومت بھی بینکوں سے سود پر قرض ہی لیتی ہے۔ یوں کہہ لیجیے کہ پورا ملک ہی مقروض

ہے۔ آپ اسٹاک ایکسچینج میں جس کمپنی میں انوسٹ کرنا چاہیں تو بس یہی دیکھ لیجیے کہ ان کی آمدنی حلال ہے یا نہیں؟ آمدنی حلال ہر حلال چیز یا حلال سروس پر ہے تو آپ انوسٹ کر سکتے ہیں تاکہ آمدنی سے آپ کو حصہ مل جائے۔

علوم القرآن کے متعلق سوالات

سوال: سورۃ مائدہ کی آیت مبارکہ 48 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے کتابیں نازل فرمائی وہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں ۔دوسری بات یہ کہ " ہم نے ایک دوسرے کو الگ الگ امت گروہ بنایا ورنہ ہم سب کو ایک ساتھ اکٹھے بھی کر دیتے مگر تمھارے درمیان اختلاف کو آخری دن یعنی قیامت والے دن بتائیں گے "۔ پہلی آسمانی کتابوں میں تحریر کیا ہے مطلب اپنی مرضی کی ترجمہ تفسیر ہے یا آیت مبارکہ کو نکالا گیا ہے۔ اس آیت مبارکہ کا کیا مفہوم ہے؟

جواب: اللہ تعالی کی کتابوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ دین کے تمام اصول ایک ہی ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ ٹائم کے ساتھ انسانیت میں جو تبدیلی ہوئی تو انہی اصولوں کو اپلائی کیا تو اس میں معمولی سا فرق آیا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے 600000 لوگ اکٹھے ایمان لائے لیکن ان کی تربیت کی ضرورت تھی۔ اس لیے تورات میں اللہ تعالی نے سبت کا حکم دیا کہ ہر ہفتے ایک دن صرف عبادت ہی کرنی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اس ایک دن میں عبادت کے ساتھ تربیت بھی ہوتی رہی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب لوگ ایمان لائے تو وہ اسٹیپ بائی اسٹیپ ایمان لاتے رہے۔ اس لیے ٹائم زیادہ تھا، اس لیے روزانہ ان کی تربیت فرماتے رہے۔ یہ تربیت مکمل ہوئی تو اللہ تعالی نے ہفتے میں صرف ایک دن میں تقریباً ایک گھنٹہ یا اس سے بھی کم وقت کے لئے جمعہ کی نماز کو فرض کیا۔ بنی اسرائیل کو پورے دن تک حکم تھا، لیکن ہمارے لیے کچھ منٹ کے لیے حکم ہے۔ اس سے آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ٹائم کے ساتھ ضرورت کے مطابق معمولی تبدیلیاں ہی نظر آئیں گی۔

گمراہی میں مبتلا ہونے کے بعد بعض لوگوں نے حرکت کی کہ اللہ تعالی کی کتاب کے ترجمے اور تفسیر میں اپنی گمراہیوں کو شامل کر دیا۔ مسلمانوں کے ہاں بھی آپ اس کی مثالیں بعض تفاسیر ، جعلی احادیث اور فقہ کی کتابوں میں دیکھیں گے۔ اسی طرح بنی اسرائیل کی گمراہیاں آپ کو بائبل اور فقہ کی کتاب "تالمود" کے اندر نظر آجائیں گی۔

سوال: سورۃ المائدہ کی آیت مبارکہ 51 میں مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کی دوستی سے منع کیا گیا ہے۔ اس سے کیا مراد ہے ، دینی معاملات میں دوستی نہ کریں یا ان کے پروگراموں اور مذہبی فنکشنز کی بات ہے؟ یا دنیاوی معاملات کی، جیسے کاروبار میں پراپرٹی شراکت کی بات ہے؟

جواب: عیسائی اور یہودیوں کے بعض گروپس ایسے تھے جو بغاوت کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالی نے حکم دیا کہ آپ ان سے دوستی نہ کیجیے گا کیونکہ وہ کنفیوژنز پیدا کریں گے۔ یہاں پر تمام یہود و نصاری کی بات نہیں ہے بلکہ غیر مخلص لوگوں کی بات ہے۔ خود یہودیوں اور عیسائیوں میں جو مخلص لوگ تھے، وہ تو ایمان لائے اور پھر خلوص کے ساتھ دین اسلام پر عمل کرتے

رہے۔اس کی مثال وہ افریقہ کے عیسائی تھے جو ایمان لائے اور ان کی اکثریت ابھی تک موجود ہے۔ بہت سے منافق لوگ تھے جو بظاہر مسلمان بنے لیکن اندر سے سازش کرتے رہے۔ان آیات کا ترجمہ ہے:

اہل ایمان! آپ اِن (دشمن) یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بنائیے کیونکہ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔(یاد رکھیے کہ) آپ میں سے اگر کوئی (اِس تنبیہ کے باوجود) انہیں اپنا دوست بناتا ہے تو اُس کا شمار پھر انہی میں سے ہو جائے گا۔حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالی اِس طرح کے ظالموں کو کبھی راہ نہیں دکھاتا۔چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے، وہ اِن سے پینگیں بڑھا رہے ہیں۔کہتے ہیں کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔سو بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالی (آپ کو) فتح دے یا اپنی طرف سے کوئی اور بات ظاہر کر دے تو انہیں اُس چیز پر پچھتانا پڑے جو اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں۔(سورۃ المائدہ 52-51)

اسلام کا پیغام پہنچانے کیلئے کونسا طریقہ اچھا ہے؟

سوال: دین اسلام کی تبلیغ و دعوت اور اسلام کا پیغام پہنچانے کیلئے کونسا طریقہ اچھا ہے وضاحت فرمائیں؟کیوں کہ آج کل دیکھتے ہیں گلی محلوں کی مساجد میں سبز رنگ کی پگڑی والی جماعت ہے اور کچھ رائیونڈ والی سفید ٹوپی والی جماعت ہے، کیا سر اس طرح کی تبلیغ دین صحیح ہے؟میرا ایک کلاس فیلو ہے یونیورسٹی میں رائیونڈ کی تبلیغ جماعت کے جو بانی تھے ان کا پوتا ہے وہ کہتا ہے، تبلیغ جماعت اٹھارہ عالم دوست تھے جن میں میرا دادا شامل تھا ان کی سوچ اور فکر سے بنی ہے، وہ نوجوان میرا کلاس فیلو مولانا یونس صاحب کا بیٹا ہے؟

جواب: قرآن مجید میں تبلیغ کا طریقہ کار کا اصول بیان ہوا ہے۔اسے پڑھ اور سن لیجیے اور سب ہی دعوتی تحریکوں نے اس پر عمل کیا ہے۔آپ اس لنک سے استفادہ فرما سکتے ہیں؛

https://youtu.be/7V4W3kLnfA8

باقی تمام دعوتی تحریکوں نے اپنے حساب سے طریقہ کار ایجاد کیا ہے۔ان کے طریقہ کار کو آپ لاجیکل طریقے سے چیک کر سکتے ہیں۔اس کے لیے آپ تقابلی مطالعہ کی کتابوں CS06-07 میں پڑھ سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہر انسان جب بھی عمل کرتا ہے تو اس کا طریقہ کار وہ خود انتخاب کر لیتے ہیں یا خود ایجاد کر لیتے ہیں۔

https://drive.google.com/drive/u/0/folders/12ODWBkAskGyloH1KMaU1b_1uPuhM9fW0

تصوف اور نفسیاتی غلامی کے متعلق سوالات

سوال: میں آج ایک جگہ قرآن خوانی پر گیا تو قرآن خوانی والوں کے پیر صاحب آئے ہوئے تھے انھوں نے بیٹھے بیٹھے جھوٹی کہانیاں سنائی ان کے ساتھ چھ لوگ تھے جب وہ کہانی سناتا تو وہ چھ لوگ مختلف سائیڈ پر بیٹھے تھے تو جھوٹے پراپیگنڈے پر

سبحان اللہ، اللہ اللہ زور سے لگاتے تھے، اس پیر صاحب کا چھے لوگوں پر اتنا اثر نہیں تھا کہ انہوں نے مسجد میں بد تمیزی کے ساتھ کھانا کھانے کے بعد لوگوں سے ملاقات میں صرف ایک ہی رٹ لگائے ہوئے تھی کہ ذکرِ قلب کرو۔ کیا ہماری قوم کا اس طرح کے لوگوں سے جان چھوٹ سکتی ہے؟ کیا کسی پیر کو گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر مل سکتے ہیں؟

جواب: اس میں بھی وہی مفاد پرستی ہے۔ وہ لوگ آپ کو اپنا نفسیاتی غلام بنانا چاہتے ہیں۔ اس لیے یہ پوری مجلس کر رہے تھے اور جعلی کہانیاں سنا کر آپ کو غلام بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس کی تفصیل آپ میری "نفسیاتی غلامی" کے طریقہ کار کو L0019-Intslavery-Download پڑھ سکتے ہیں۔

مشورہ یہی دوں گا کہ آئندہ ایسی کسی بھی محفل میں نہ جایا کریں۔ مسجدوں میں یہی محفلیں ہو رہی ہوتی ہیں۔ آپ قرآن مجید اور احادیث کا مطالعہ گھر سے ہی کر لیا کریں۔ کسی سے سننے کی بجائے خود کتاب میں پڑھ لیا کریں۔ لیکچرز بھی سنیں تو صرف انہی اسکالرز کی جو کسی بھی فرقہ سے تعلق نہیں رکھتے ہوں۔

سوال: ہمارے گھر سے تقریباً 35 کلومیٹر کے فاصلے پر ایک دربار ہے میں رمضان المبارک میں کسی دوست کے پاس افطار پر جا رہا تھا، تو اچانک شغل میلے کا دل میں خیال آیا تو دربار پر گئے تو اندر گئے تو ایک سائیڈ پر مرد اور ایک سائیڈ پر عورتیں تھی مرد زور زور سے قبر کو سر مار کر کہہ رہا تھا: میں کلمہ نہیں پڑھوں گا، جب تیسری مرتبہ بولا: تو میں نے کہا: تجھے کون کہتا ہے کہ تو کلمہ پڑھ، تو کونسا انسان ہے تو پھر وہ خاموش ہو گیا۔ دوسری جانب عورتیں مختلف آوازیں نکال رہی تھیں۔ اس دربار پر ایک خلیفہ تھا اس نے بتایا کہ یہ عورتیں اس طرح کی آوازیں نکال کر گھر والوں کو متاثر کرتی ہیں کہ مجھے جن ہیں، گھر والے ڈر سے ان کو تین دن کیلئے دربار پر چھوڑ جاتے ہیں، وہ پھر دوستوں اور جن کے ہاتھوں چڑھ جاتی ہیں ان سے رنگ رلیاں مناتی ہیں۔ جو لوگ اس طرح کی حرکتیں کرتے ہیں، کیا یہ لوگ مشرک ہیں یا صرف جاہل اور بے شعور میں شمار ہوں گے ؟

جواب: ان بیچاروں کے متعلق حسن ظن ہی رکھنا چاہیے کہ یہ سب ہی غلط فہمی میں یہ حرکتیں کرتے ہیں۔ اصل میں یہ لوگ ہندو یا بدھ مت کے تھے اور جب مسلمان ہوئے تو اپنے کلچر کو ابھی تک سنبھالے ہوئے ہیں۔ اس کی اسٹڈیز بھی آپ تقابلی مطالعہ کی کتابوں میں پڑھ لیں گے۔ ہندوؤں کا اصل تصور تھا جسے "اوتار" کہتے ہیں۔ اوتار کا معنی ہے کہ خدا انسان کی شکل میں آ جاتا ہے۔ اس لیے مختلف انسانوں کے نام پر مجسمے بنا لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ خدا اس کی شکل میں آیا ہے۔ جب یہ لوگ مسلمان ہوئے تو اسی پر عمل کرنے لگے۔ انہوں نے جسٹی فائی اس طرح کر دیا کہ مجسمہ کی بجائے قبروں کی پوجا کرنے لگے۔ اوتار کے لفظ کو تبدیل کر کے امام، ولی اللہ، غوث اور اس طرح کے الفاظ استعمال کرنے لگے اور آج تک جاری ہے جو آپ نے دیکھا ہے۔

والسلام

محمد مبشر نذیر

اسلامی کتب کے مطالعے اور دینی کورسز کے لئے وزٹ کیجیے

www.mubashirnazir.org